طاہرہ سے طاہر
سعادت حسن منٹو

ایشیا کا بے مثال ادیب
سعادت حسن منٹو

عظیم فنکار کی دیگر کتب

برقعے	۳/۰
شکاری عورتیں	۳/۰
بغیر اجازت	۳/۰
رتی ماشہ تولہ	۳/۰
ایک مرد	۳/۵۰
جنازے	۳/۰
بغیر عنوان کے	۳/۰
کالی شلوار	۴/۵۰

زندہ جاوید مصنف
سعادت حسن منٹو
بے باک قلم سے
طاہرہ سے طاہر
منٹو کے غیر مطبوعہ افسانوں کا مجموعہ
ظفر احمد قریشی اینڈ سنز
پبلیکیشنز
ہیڈ آفس ۱۰۱۰ ایبک روڈ انار کلی لاہور
برانچ جناح روڈ (دی مال) کوہ مری
فون 72155
اردو بازار کراچی

قیمت ۵۰/ روپے

پہلی بار ـــــــــ ۱۹۷۱ء

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

بذریعہ آفسٹ طبع ہوئی

فون

گھر	کوہ مری	پریس
۶۴۴۴۸	۲۴۵۶	۵۵۹۸۶

اظہر اطہر برادرز نے پنجاب پریس سے چھپوا کر اپنے ادارے سے شائع کی۔

طاہرہ سے طاہر......

سعادت حسن منٹو

ہمیں فخر
ہے کہ
ہم نے
ادب کی
خدمت کی
ہے۔ اور
آپ کے
ممنون ہیں
کہ آپ نے
ہماری
حوصلہ افزائی
کی ہے۔

ناہید ظفر

اچھی
کتابیں
آپ
کے
قیمتی
ذہن
کو
نشوون
بخشتی
ہیں

ظفر احمد ق

افسانے

شیدا

شیدے کے متعلق امرتسر میں یہ مشہور تھا کہ وہ چٹان سے بھی ٹکر لے سکتا ہے۔ اُس میں بلا کی پھُرتی اور طاقت تھی۔ گو تن و توش کے لحاظ سے وہ ایک کمزور انسان دکھائی دیتا تھا، لیکن امرتسر کے سارے غنڈے اُس سے خوف کھاتے اور اُس کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

فرید کا چوک، معلوم نہیں فسادات کے بعد اُس کی کیا حالت ہے، عجیب و غریب جگہ تھی۔ یہاں شاعر بھی تھے۔ ڈاکٹر اور حکیم بھی، موچی اور جُلاہے، جواری اور بدمعاش، نیک اور پرہیزگار سبھی یہاں بستے تھے۔ ہر وقت گہما گہمی رہتی تھی۔

شیدے کی سرگرمیاں چوک سے باہر ہوتی تھیں، یعنی وہ اپنے علاقے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا تھا، جس پر اُس کے محلے والوں کو اعتراض ہو۔ اُس نے جتنی لڑائیاں لڑیں، دوسرے غنڈوں کے محلے میں۔

وہ کہا کرتا تھا " اپنے محلے میں کسی دوسرے محلے کے غنڈے

سے لڑنا نامردی کی نشانی ہے ۔ مزا تو یہ ہے کہ دشمن کو اُس کی اپنی جگہ پر مارا جائے ۔"

اور یہ صحیح تھا ۔ ایک بار پٹھرنگوں سے اُس کی ٹھن گئی ۔ وہ کئی مرتبہ چوک فرید سے گزرے ۔ بڑکیں مارتے ، نعرے لگاتے ، شیدے کو گالیاں دیتے ۔ وہ یہ سب سن رہا تھا مگر اُس نے اُن سے بھڑنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش رحمان تاندرو کی دکان میں بیٹھا رہا ۔

لیکن دو گھنٹوں کے بعد وہ پٹھرنگوں کے محلے کی طرف روانہ ہوا ۔ اکیلا ۔۔۔ بالکل اکیلا اور پھر غیر مسلح ۔

وہاں جاکر اُس نے ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا ، اور پٹھرنگوں کو جو اپنے کام میں مصروف تھے للکارا " نکلو باہر ، تمہاری ...... !"

دس پندرہ پٹھرنگ لاٹھیاں لے کر باہر نکل آئے اور جنگ شروع ہو گئی ۔ میرا خیال ہے ، شیدا اگتکے اور بنوٹ کا ماہر تھا ۔ اُس پر لاٹھیاں برسائی گئیں ، لیکن اُس نے ایک بھی ضرب اپنے پر نہ لگنے دی ۔ ایسے پینترے بدلتا رہا کہ پٹھرنگوں کی سٹی گم ہو گئی ۔

آخر اُس نے ایک پٹھرنگ سے بڑی چابک دستی سے لاٹھی چھینی اور حملہ آوروں کو مار مار کے ادھ مؤا کر دیا ۔

دوسرے روز اُسے گرفتار کر لیا گیا ـــــ دو برس قید با مشقت کی سزا ہوئی ـــ وہ جیل چلا گیا۔ جیسے وہ اُس کا اپنا گھر ہو۔ اِس دوران میں اُس کی بوڑھی ماں وقتاً فوقتاً ملاقات کیلیے آتی رہی۔

وہ مشقّت کرتا تھا، لیکن اُسے کوئی کوفت نہیں ہوتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چلو ورزش ہو رہی ہے، صحت ٹھیک رہے گی۔

اُس کی صحت، باوجود اِس کے کہ کھانا بڑا واہیات ہوتا پہلے سے بہتر تھی۔ اُس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ لیکن وہ بعض اوقات مغموم ہو جاتا اور اپنی کوٹھڑی میں ساری رات جاگتا رہتا۔ اُس کے ہونٹوں پر پنجابی کی یہ بولی ہوتی ـــ

کی پچھیئے تیری یاری
ٹہناں ٹہناں ہو کے ٹٹ گئی

ایک برس گزر گیا، مشقّت کرتے کرتے ـــ اب اُس کی افسردگی کا دور شروع ہوا ـــ اُس نے مختلف بولیاں گانا شروع کر دیں ـــ مجھے ایک قیدی نے بتایا، جو اُس کے ساتھ والی کوٹھڑی میں تھا کہ ـــ

وہ یہ بولیاں گایا کرتا تھا ـــ

لبھ جان گے یار گواچے
ٹھیکے لے لے پتناں دے

اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے تیرا گم شدہ محبوب مِل جائے گا اگر تو دریا کے ساحل پر کشتیاں چلانے کا ٹھیکا لے لے۔

گڈی کٹ جاندی جنھاں دے پریم والی،
منڈے لے جاندے اونھاں دی ڈور لٹ کے

یعنی جن کی محبت کی پتنگ کٹ جاتی ہے تو لڑکے بالے بڑا شور مچاتے ہیں اور اُن کی ڈور لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

میں اب اور بولیوں کا ذکر نہیں کروں گا، کیونکہ اُن سب کا جو شیدے کے ہونٹوں پر ہوتی تھیں، ایک ہی قسم کا مفہوم ہے

اُس قیدی نے مجھ سے کہا:

"ہم سمجھ گئے تھے کہ شیدا کسی کے عشق میں گرفتار ہے۔ کیونکہ ہم نے کئی مرتبہ اُسے آہیں بھرتے بھی دیکھا۔ مشقّت کے دوران وہ بالکل خاموش رہتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ کسی اور دنیا کی سیر کر رہا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد ایک لمبی آہ بھرتا اور پھر اپنے خیالات میں کھو جاتا۔"

ڈیڑھ برس کے بعد جب شیدا خودکشی کا ارادہ کر چکا تھا، اور کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ اپنی زندگی ختم کر دے کہ اُسے اطلاع ملی کہ ایک نوجوان لڑکی تم سے ملنے آئی ہے۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ جوان لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اُس کی صرف ماں ہی ماں تھی جو اس سے اپنی ممتا کے باعث ملنے آجایا کرتی تھی۔

ملاقات کا انتظام ہوا۔ شیدا سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ مسلح سپاہی۔ لڑکی کو بلایا گیا۔ شیدے نے سلاخوں میں سے دیکھا کہ ایک برقع پوش عورت آہنی پنجرے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اُس کو ابھی تک یہ حیرت تھی کہ یہ عورت یا لڑکی کون ہو سکتی ہے۔ اسفید برقع تھا۔ جب وہ پاس آئی تو اُس نے نقاب اٹھائی۔ شیدا چیخا "تم ... تم کیسے ...!"

زلیخا، جو کہ پٹرنگوں کی لڑکی تھی، زار و قطار رونے لگی۔ اُس کے حلق میں لفظ اٹک گئے۔

"میں تم سے ملنے آئی ہوں — لیکن — لیکن مجھے ... مجھے معاف کر دینا اتنی دیر کے بعد آئی ہوں — تم — خدا معلوم اپنے دل میں میرے متعلق کیا سوچتے ہوگے!"

شیدے نے سلاخوں کے ساتھ سر لگا کر کہا:

" نہیں میری جان ـــــ میں تمھارے متعلق سوچتا ضرور رہا لیکن میں جانتا تھا کہ تم مجبور ہو"

زلیخا نے روتے ہوئے کہا:

" میں واقعی مجبور تھی ـــ لیکن آج مجھے موقع ملا تو میں آ گئی۔ سچ کہتی ہوں میرا دل کسی چیز میں نہیں لگتا تھا"

" یہ موقع تمھیں کیسے مل گیا ؟"

زلیخا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

" میرے ابا کا انتقال ہو گیا ہے۔ کل اُن کا چالیسواں تھا "

شیدا مرحوم سے اپنی ساری مخاصمت بھول گیا۔

" خدا انھیں جنت بخشے ـــ مجھے یہ خبر سُن کر بڑا افسوس ہُوا"

یہ کہتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ـــ" صبر کرو زلیخا! اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں"

زلیخا نے اپنے سفید برقعے سے آنسو پونچھے " میں نے بہت صبر کیا ہے شیدے! اب اور کتنی دیر کرنا پڑے گا ـــ تم یہاں سے کب نکلو گے ؟"

"بس چھ مہینے رہ گئے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے بہت پہلے ہی چھوڑ دیں گے۔ یہاں کے سب افسر مجھ پر مہربان ہیں"

زلیخا کی آواز میں محبت کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو گیا،

"جلدی آؤ پیارے ـــــ مجھے اب تمھاری ہونے سے روکنے والا کوئی نہیں ـ خدا کی قسم اگر کسی نے تمھاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو میں خود اس سے نپٹ لوں گی ـــ میں نہیں چاہتی کہ تم پھر اسی.. مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ ـــ"

سنتری نے کہا کہ وقت ختم ہو گیا، چنانچہ ان کی ملاقات بھی ختم ہو گئی زلیخا روتی روتی چلی گئی ۔ اور رشیدا دل میں مسرت اور آنکھوں میں آنسو لیے جیل کے اندر چلا گیا ۔ جہاں اُس کو مشقت کرنا تھی ۔ اُس دن اُس نے اتنا کام کیا کہ جیلر دنگ رہ گئے ۔

دو مہینوں کے بعد اُسے رہا کر دیا گیا ۔ اِس دوران زلیخا دو مرتبہ اُس سے ملاقات کرنے آئی تھی ـــ اُس نے آخری ملاقات میں اُس کو بتا دیا تھا کہ وہ کس تاریخ کو جیل سے باہر نکلے گا، چنانچہ وہ گیٹ کے پاس برقع پہنے کھڑی تھی ۔ دونوں فرطِ مسرت میں آنسو بہانے لگے ۔

رشید ـــ نے تانگہ لیا، دونوں اس میں سوار ہوئے اور شہر کی

جانب چلے۔ لیکن رشید ے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ زلیخا کو کہاں لے جائے گا۔

" زلیخا! تمھیں کہاں جانا ہے ؟"

زلیخا نے جواب دیا۔

" مجھے معلوم نہیں ___ تم جہاں لے جاؤ گے، وہیں چلی جاؤں گی"

رشید ے نے کچھ دیر سوچا اور زلیخا سے کہا:

" نہیں، یہ ٹھیک نہیں ___ تم اپنے گھر جاؤ ___ دنیا مجھے گنڈا کہتی ہے لیکن میں تمھیں جائز طریقے پر حاصل کرنا چاہتا ہوں ___ تم سے باقاعدہ شادی کروں گا"

زلیخا نے پوچھا:

" کب ___ ؟"

رشید ے نے جواب دیا:

" بس ایک دو مہینے لگ جائیں گے ___ میں اپنی جوے کی بیٹھک پھر سے قائم کر لوں ___ اس عرصے میں اتنا روپیہ اکٹھا ہو جائے گا کہ میں تمھارے لیے زیور کپڑے خرید سکوں ___"

زلیخا بہت متاثر ہوئی ___ " تم کتنے اچھے ہو رشید ے ___ جتنی دیر تم

کھو گئے، میں اُس گھڑی کے لیے انتظار کروں گی جب میں تمھاری ہو جاؤں گی۔"

شیدا اور اجذباتی ہو گیا۔

" جانی — تم اب بھی میری ہو — میں بھی تمھارا ہوں — لیکن میں چاہتا ہوں، جو کام ہو طور طریقے سے ہو — میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دوسروں کی جوان کنواری لڑکیوں کو ورغلا کر خراب کرتے ہیں — مجھے تم سے محبت ہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمھاری خاطر میں نے مار کھائی اور قریب قریب دو برس جیل میں کاٹے — خداوند پاک کی قسم کھا کے کہتا ہوں، ہر وقت میرے ہونٹوں پر تمھارا نام رہتا تھا۔"

زلیخا نے کہا:

" میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی تھی، لیکن تمھارے لیے میں نے ایک ہمسائی سے سیکھی اور بلا ناغہ پانچوں وقت پڑھتی رہی۔ ہر نماز کے بعد دعا مانگتی کہ خدا انھیں ہر آفت سے محفوظ رکھے۔"

شیدے نے شہر پہنچتے ہی دوسرا تانگہ لے لیا اور زلیخا سے جدا ہو گیا۔ تاکہ وہ اپنے گھر جائے اور وہ اپنے۔

شیدے نے ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر ایک ہزار روپے پیدا کر لیے ان سے اُس نے زلیخا کے لیے سونے کی چوڑیاں اور انگوٹھیاں بنوائیں۔ گلے کیلیے ایک نیکلس بھی لیا۔ اب وہ پوری طرح لیس تھا۔

ایک دن وہ اپنے گھر میں اوپر پیڑھی پر بیٹھا کھانا کھانے لگا تھا کہ نیچے سے کسی عورت کے بین کرنے جیسی آواز آئی۔ وہ اُسے پکار رہی تھی۔ اور ساتھ ساتھ کوسنے بھی دے رہی تھی۔ شیدے نے اُٹھ کر کھڑکی میں سے نیچے جھانکا، تو ایک بڑھیا تھی۔ جو اُس کے محلے کی نہیں تھی۔ اُس نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور پوچھا:

"کیا تم ہی شیدے ہو؟"

"ہاں ماں"

"خدا کرے نہ رہو اِس دنیا کے تختے پر!

تمھاری جوانی لوٹے۔!

تم پر بجلی گرے"

بڑھیا نے ایک ساتھ کئی کوسنے دیئے

رشیدے نے کسی قدر لغزشے میں پوچھا:

"بات کیا ہے ؟"

بڑھیا کا لہجہ اور زیادہ تلخ ہو گیا۔

"میری بچی تم پر تجان چھڑکتی اور تمھیں کچھ پتا ہی نہیں"

رشیدے نے حیرت سے سوال کیا:

"کون ہے تمھاری بچی۔؟"

بڑھیا نے جواب دیا۔

"زلیخا اور کون ؟"

رشیدا حیران ہو کر بولا:

"کیا ہوا اُس کو۔؟"

بڑھیا رونے لگی۔

"وہ تم سے ملتی تھی۔۔۔ تم غنڈے ہو۔ اس لیے ایک تھانیدار نے زبردستی اُس کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا؟"

رشیدے کے ہوش و حواس ایک لحظہ کے لیے غائب ہو گئے مگر پھر سنبھل کر اُس نے بڑھیا سے پوچھا۔

"کیا نام ہے اس تھانیدار کا ؟"

بڑھیا کانپ رہی تھی۔

"کرم داد! تم یہاں اوپر مزے میں بیٹھے رہو، بہت بڑے غنڈے بنے پھرتے ہو۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی غیرت ہے تو جاؤ اور اس کتا نمبردار کا سر گنڈاسے سے کاٹ کے رکھ دو۔"

شیدا کچھ نہ بولا۔ کھڑکی سے ہٹ کر اس نے بڑے اطمینان سے کھانا کھایا۔ پیٹ بھر کے دو گلاس پانی کے پیئے اور ایک کمرے میں رکھی ہوئی کلہاڑی لے کر باہر چلا گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس نے زلیخا کے گھر دروازے پر دستک دی۔ وہی بڑھیا باہر نکلی۔ شیدے کے ہاتھ میں خون آلود کلہاڑی تھی۔ اس نے بڑے پرسکون لہجہ میں کہا:

"ماں! جو کام تم نے مجھ سے کہا تھا، کر آیا ہوں۔ زلیخا سے میرا سلام کہنا۔ میں اب چلتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ سیدھا کوتوالی گیا اور خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔!!!

ختم شد

رومان

"میری سمجھ میں نہیں آتا، تمہاری عقل کو کیا ہوگیا ہے"

"میری عقل تو صحیح سلامت ہے —— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عقل ہی ماری گئی ہے"

"اگر میری عقل ماری گئی ہے، تو اس کا خون تمہارے سر پر ہے"

"میرے سر پر ؟ —— ان دوستوں کے سر پر نہیں، جو ہر روز آپ کا خون چوستے ہیں"

"مجھ میں خون ہی کہاں ہے جو وہ چوسیں گے —— جتنا تھا، وہ تو تم چوس گئی ہو —— ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑا"

"یہ سراسر بہتان ہے —— یہ تو مجھے کہنا چاہیئے تھا کہ آپ نے میرا

خون چوسا ہے"

"وہ کیسے ؟"

"پانچ بچے پیدا کرا دیئے ہیں مجھ سے ـــــ ان میں کتنا خون میرا ضائع ہوا ہے ـــ آپ کو اتنے بچے پیدا کرنے پڑتے تو قدر عافیت معلوم ہو جاتی "

"عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے ـ گھر کا خیال رکھنا ہے ـ یہ دیکھنا ہے کہ سالن میں کہیں نمک زیادہ تو نہیں ڈال دیا باورچی نے ـــ پھر بچوں کی نگہداشت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے"

" اور نگوڑے مرد ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں ـــ سارا دن جمائیاں لیتے رہیں ۔

"سارا دن تو میں دفتر میں ہوتا ہوں ــ وہاں جمائی لینے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے"

" دفتر میں کیا آپ سارا دن ہل چلاتے رہتے ہیں ؟"

"میں نے اگر وہاں ہل چلانا شروع کر دیا تو پھر اس گھر کا اللہ حافظ ہے"

"کیوں ؟"

"جب دفتر ہی میں ہل چل گیا تو یہ گھر کیسے سلامت رہے گا ـ

وہی تو میری اور تمہاری روزی کا ٹھیکہ ہے ـــ میری سمجھ میں نہیں آتا ، تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے ؟"

"میری عقل بالکل درست ہے ، آپ اپنی عقل کسی سے درست کروا لیجئے"

"کس سے ؟"

"مجھے کیا معلوم ـــ آپ کسی ڈاکٹر سے مشورہ لیجئے ـــ وہ آپ کو کوئی نہ کوئی علاج بتا دے گا"

"تم خود ہی بتا دو ـــ مجھے خواہ مخواہ سولہ روپئے فیس دینا پڑے گی ـــ تم گوسند یافتہ نہیں ہو مگر قابل سے قابل ڈاکٹروں کا مقابلہ کر سکتی ہو"

"آپ اس طرح میرا مذاق نہ اڑایا کریں ـــ خدا کی قسم میں کسی روز دیوانی ہو جاؤں گی "

"دیوانہ ہونا کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے ـــ تیس برس فرزانگی میں کاٹے ، اتنے ہی برس دیوانگی میں ـــ دونوں مزے لئے "

"خدا کرے آپ پاگل ہو جائیں ـــ اور پاگل پن کے مزے چکھتے رہیں"

"میں تو پاگل ہوں ـــ اس لئے کہ تم ایسی بیوی سے نباہ کئے جا رہا ہوں"

"نباہ میں کر رہی ہوں یا آپ ـــ پندرہ برس سے میں آپ

آپ کی زیادتیاں برداشت کر رہی ہوں ـــــ شروع شروع میں آپ کا رویہ ٹھیک تھا، مگر دو برسوں کے بعد ہی آپ بالکل بدل گئے جیسے مجھ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔"

"واسطہ کیوں نہیں ـــــ جیسا پہلے تھے، ان پندرہ برسوں کے بعد بھی ویسا ہی ہے ـــــ تمہیں یہ کیسے محسوس ہوا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں رہا"

"آپ اپنے دل سے پوچھئے"

"میں اپنے دل سے کیا پوچھوں ـــــ اس کو تو تم نے کباب سیخ بنا دیا ہے ـــــ"

"جی ہاں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے ـــــ میں نے آپ کو کباب سیخ بنا دیا ہے ـــــ کباب سیخ بنانے والے آپ کے وہ دوست ہیں جو آپ کے ساتھ جونک کی طرح چمٹے رہتے ہیں ـــــ خدا غارت کرے ان کو"

"تم کسی کو بددعا نہ دیا کرو"

"کیوں نہ دوں ـــــ میرا کلیجہ ان لوگوں کی وجہ سے جلتا رہتا ہے ـــــ ان کے لئے لیمونیڈ آتے ہیں۔ بہتر سے بہترین مٹھائیاں آتی ہیں ـــــ ان کو شراب بھی پلائی جاتی ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ مجھے ڈو رپے کا ایک

مقان لادیجئے، تو آپ کہتے ہیں اس مہینے بجٹ میں کوئی گنجائش نہیں۔
اس گھر میں جو کچھ ہے، وہ آپ کا ہے، میں تین میں ہوں نہ تیرہ میں۔ نہ
سُتلی کی گرہ میں"

" دیکھو ایسی باتیں مت کیا کرو ـــ"

میں نے کب ایسی باتیں کی ہیں، لیکن آج آپ نے جھگڑے کی
ٹھانی تھی ـــ صبح اٹھتے ہی مجھ سے کہا، تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے"

"میں دیر سے اٹھا ـــ پر تم بھی سو رہی تھیں ـــ عورت کا یہ کام
ہے کہ وہ خاوند کو اٹھائے ـــ اسکو ناشتہ دے ـــ اس کے کپڑے
نکالے ـــ"

"اور اُسکو گود میں بٹھا کر دودھ پلائے ـــ اُس کا نکلوٹ بدلے ـــ
اس کی ناک صاف کرے ـــ"

"اب تم مذاق پر اُتر آئیں ـــ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے"

"جب آپ مذاق اڑائیں تو وہ اچھی بات ہوتی ہے ـــ جب میں
کوئی اچھی بات کہہ دوں تو وہ مذاق ہو جاتا ہے"

"اب تم سے کون بحث کرے ـــ چھوڑو اس قصّے کو ـــ مجھے دفتر
جانا ہے ـــ جاؤ ناشتہ تیار کراؤ"

"آپ خود ہی تیار کرا لیجئے — یہ کیا ضروری ہے کہ ہر روز میں ہی یہ کام کیا کروں"

"تو اور کون کرے گا"

"آج آپ کیجئے — کل کا دیکھا جائے گا"

"میں اس ایک بک بک میں کبھی نہیں پڑوں گا — ناشتہ کئے بغیر چلا جاؤں گا"

"وہاں دفتر میں کینٹین جو ہے — وہاں آپ پُر تکلف ناشتہ کرینگے"

"ایک دو انڈے کھا لوں گا — تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کھا سکتا"

"مرغ کی چار ٹانگیں تو آپ بڑی رغبت سے کھا لیتے ہیں"

"انڈوں میں ٹانگیں کہاں ہوتی ہیں ؟"

"کہیں نہ کہیں ہوتی ہوں گی — آخر انڈوں ہی سے تو مرغ مرغیاں پیدا ہوتی ہیں"

"اس میں کوئی شک نہیں — لیکن سوال یہ ہے کہ انڈہ صرف انڈہ ہوتا ہے — مُرغ، مُرغ اور مُرغی مُرغی — تم کیا مُرغی کو انڈہ بنا سکتی ہو — یا انڈے کو مُرغ ؟"

"یہ کیا بے ہودہ گفتگو ہے ؟"

"ہر وہ بات جو دلیل پر مبنی ہو، تمہاری نظر میں بے ہودہ ہوتی ہے۔ معلوم نہیں ہودہ بات کیسی ہوتی ہے جو تمہیں پسند آئے ـــــ مجھے کوئی ایسی لغت تیار کر دو، جس کے مطابق میں تم سے گفتگو کیا کروں، تاکہ تمہیں اعتراض کا موقع ہی نہ ملے۔ میں بڑا برخوردار قسم کا شوہر ہوں"

"کیا کہتے ہیں آپ کے ـــــ آپ تو فرشتہ ہیں۔ فرشتہ!"

"مجھے فرشتہ نہ کہو ـــــ مرزا غالب نے کہا ہے

ع پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ـــــ آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا ؟"

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا"

"چلو یہ بھی اچھا ہوا ـــــ تمہاری سمجھ میں جو بات نہ آئے وہ دراصل بات ہوتی ہے۔"

"یہ اپنی فلاسفی چھوڑیئے اور مجھے بتائیے کہ صبح اُٹھتے ہی آپ نے مجھ سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیا ؟ ـــــ آپ نے کم از کم میرا آدھا گھنٹہ خراب کر دیا ہے"

"وہ اچھا ہو جائے گا ـــــ تم مجھ سے جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو پوچھو"

"میں آپ سے پوچھ تو رہی تھی کہ آپ نے صبح اٹھتے ہی مجھ سے جھگڑنا کیوں شروع کر دیا؟"

"کس کم بخت کو یاد رہا ہے کہ میں نے تم سے جھگڑنے کی قسم کی کوئی بات کی ہو ــــ"

"آپ کو اپنی کوئی بات کبھی یاد بھی رہتی ہے ــــ ہر وقت تو شراب کے نشے میں دھت رہتے ہیں"

"خدا واحد شاہد ہے، میں نے ایک مہینے سے ایک قطرہ بھی نہیں پیا"

"اور یہ جو خالی بوتلیں، میں ہر آئے دن بیچتی ہوں، کہاں سے آتی ہیں"

"مجھے معلوم نہیں ــــ پہلے کی پڑی ہوں گی"

"پہلے کی پڑی ہوں گی! ــــ اب آپ ایسا کیجئے کہ اپنی خالی بوتلیں باہر پھینک دیا کیجئے تاکہ مجھے پتہ نہ چلے کہ آپ نے خود اور اپنے دوستوں کو کتنی پلائی ہے"

"میں خالی بوتلیں تمہارے کہنے پر باہر پھینک دیا کروں گا ــ لیکن نقصان تمہارا ہی ہوگا"

"مجھے یہ نقصان قبول ہے"

"یہ تو بہت اچھی اور مبارک بات ہے۔"

"اچھی اور مبارک آپ کے لئے ہے۔ میرے لئے نہیں۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے صبح سویرے مجھ سے جھگڑا کیوں مول لیا"

"بھئی تم اتنی عقل مند بنی پھرتی ہو، اتنا بھی نہیں سمجھتی ہو"

"عقل تو خیر خدا نے صرف آپ ہی کو دی ہے۔ میں آپ کی رمزوں کو کیا سمجھوں گی۔ آپ خود مجھے بتا دیں کہ اس درجہ تلخ کیوں ہوئے"

"معمولی سی بات ہے۔ لیکن۔ میں نے ساری رات کانٹوں پر گزاری"

"وہ کیوں؟"

"تم پہلے تو خراٹے لیتی رہیں۔ جب میں نے تنگ آکر تمہیں کروٹ بدلنے کے لئے کہا تو تم نے گلے شکوے شروع کر دیئے"

"کیا؟"

"تمہاری اپنی دماغی اختراع تھے۔ یہ کہ میں کسی لڑکی سے عشق لڑا رہا ہوں، اس کو ہزار ہا روپے دے چکا ہوں"

"مجھے اس کے بارے میں کچھ علم نہیں"

"بیگم صاحب — ایک خط لے کے آیا ہے کوئی"

"صاحب کے لئے ہے"

"لے آؤ — کہہ دینا کہ انہوں نے وصول کر لیا ہے"

"میں خراٹے لیتی رہی — اور گلے شکوے کرتی رہی — میں اصل میں ہوش مند تھی — یہ خط ہے جناب کی اُس معشوقہ کا جس سے آپ آج کل رومان لڑا رہے ہیں"

سعادت حسن منٹو

۲۲ نومبر ۱۹۵۴ء

ایک سچّی کہانی

۵

فلم چل چل رے نوجوان کی ناکامی کا صدمہ ہمارے دل و دماغ سے قریب قریب مندمل ہو چکا تھا۔ گیان مکرجی، فلمستان لمیٹڈ کے لئے ایک پروپیگنڈا کہانی لکھنے میں مصروف تھے۔

کہانی لکھنے لکھانے اور اسے پاس کرانے سے پیشتر نلنی جیونت اور اس کے شوہر ویریندر ڈیسائی (جن کو اب نلنی نے علیحدہ کر دیا ہے) کنٹریکٹ ہو چکا تھا۔ غالباً پچیس ہزار روپے ایک سال اس کی میعاد تھی مسٹر ششودھر مکرجی حسب عادت سوچ بچار میں دس مہینے گذار چکے تھے کہانی کا ڈھانچا تھا کہ تیار ہونے ہی میں نہیں آتا تھا بعد مشکل و چوں توں کرکے ایک خاکہ معرض وجود میں آیا۔ جسے گیان مکرجی اپنی جیب میں ڈال دہلی

روانہ ہوگئے تاکہ زبانی طور پر اس میں کچھ اور چیزیں ڈال کر حکومت سے پاس کرالیں۔

خاکہ پاس ہوگیا۔ جب شوٹنگ کا مرحلہ آیا تو دزنیدر ملڈ لیبائی نے یہ مطالبہ کیا کہ اس کے ساتھ ایک برس کا نیا معاہدہ کیا جائے، اس لئے کہ پہلے معاہدے کی میعاد ختم ہونے والی ہے، مقدمے بازی ہوئی، اس طرح اس پروپگینڈا فلم جس کی کہانی کا ابھی صرف غیر مکمل خاکہ ہی تیار ہوا تھا پچیس ہزار روپوں کے بوجھ تلے آگئی۔

رائے بہادر کو بہت عجلت تھی کہ فلم جلد تیار ہو، کیونکہ وقت بہت ضائع ہوچکا تھا۔ چنانچہ جلدی جلدی میں وی صاحب کو بلاکر ان کی بیوی ممتاز شانتی سے کنٹریکٹ کرلیا گیا۔

دو دن شوٹنگ ہوئی۔ ممتاز شانتی اور اشوک کمار کے درمیان مختصر سا مکالمہ تھا جو بڑی مین میخ کے بعد فلمایا گیا، مگر جب اُسے پردے پر دیکھا گیا، تو سب نے ممتاز شانتی کو ناپسند کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ممتاز شانتی کو فلم سے علیحدہ کردیا گیا، اس بہانے سے کہ جو کردار اسے کہانی میں ادا کرنا ہے، اس کے لئے مناسب و موزوں نہیں کیونکہ اُس میں ایسے کئی مقام آئیں گے۔ جہاں ہیروئین کو اپنے جسم کے بعض

حصوں کی عریاں نمائش کرنا پڑے گی۔

اب کہانی کا نامکمل ڈھانچہ انتالیس ہزار روپئے کے نیچے دبا پڑا تھا۔ رائے بہادر جگدیش لال پہلے ہو رہے تھے "چل چل رے نوجوان" کی ناکامی نے کمپنی کی حالت بہت تنگ کر دی تھی مارواڑیوں سے قرض لے کر گزارہ بہ مشکل ہو رہا تھا۔ رائے بہادر کی خفگی اور پریشانی بجا تھی

ایک دن میں، دادا پائی اور اشوک اسٹوڈیو کے باہر کرسیوں پر بیٹھے کمپنی کی انہی حماقتوں کا ذکر کر رہے تھے جن کے باعث اتنا قیمتی وقت اور اتنا روپیہ ضائع ہوا کہ اشوک نے انکشاف کیا کہ چودہ ہزار رائے بہادر نے نمائشی کو دیئے تھے وہ انہوں نے ان سے قرض لئے تھے۔ اشوک نے یہ انکشاف اپنی کالی ہنڈلی کھجلاتے ہوئے کچھ اس انداز سے کیا کہ ہم سب بے اختیار ہنس پڑے۔ لیکن فوراً ہی ہم چپ ہو گئے۔

سامنے بجری کی بچھی روش پر ایک ادھیڑ عورت ہماری بھاری بھرکم بھرپور میک اپ کے ساتھ رہی تھی

دادا منی پائی نے اپنے کالے موٹے اور بدشکل ہونٹ وا کئے۔ اور خوفناک طور پر آگے بڑھے ہوئے سیدھے پیلے دانتوں کی نمائش کی اور داہنی کہنی کا ٹھوکا دے کر اشوک سے مخاطب ہوا "یہ کون ہے" "واچا

نے پاتی کے سر پر ایک دھول جمائی" سالے توکیوں پوچھتا ہے۔؟"

پاتی بدلہ لینے کے لئے اٹھا۔ تو داچا نے اس کی کلائی پکڑلی" بیٹھ جا سالے۔ مت جا اُدھر۔ تیری تو شکل دیکھتے ہی بھاگ جائے گی"

پائی اپنے اونچے سیدھے دانت پیستا رہ گیا۔ اشوک جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ بولا" شکل صورت سے تو اچھی خاصی ہے"

میں نے ایک لمحے کے لئے غور کیا اور کہا" ہاں ——— نظروں پہ گراں نہیں گزرتی"

اشوک میرا مطلب نہ سمجھا" کہاں سے نہیں گزرتی؟"

میں مسکرایا" میرا مطلب یہ تھا کہ جو عورت یہاں سے گزر گئی ہے اسے دیکھ کر آنکھوں پر بوجھ نہیں پڑتا۔ بڑی صاف ستھری ہے لیکن ذرا چھوٹی ہے"

پاتی نے پھر اپنے دانتوں کی نمائش کی" ارے ——— چلے گی ——— کیوں داچا؟"

داچا پائی کے بجائے اشوک سے مخاطب ہوا" دادا تم جانتے ہو یہ کون ہے؟"

اشوک نے جواب دیا" زیادہ نہیں جانتا مگر جی سے اتنا معلوم

ہوا تھا کہ ایک عورت ٹسٹ کے لئے آج آنے والی ہے"
کیمرہ اور ساؤنڈ ٹسٹ لیا گیا۔ جسے ہم سب نے پردے پر دیکھا اور اپنی اپنی رائے دی۔ مجھے، اشوک اور واچا کو وہ بالکل پسند نہ آئی۔ اس لئے کہ اس کی جسمانی حرکات چربی تھیں۔ اس کے اعضا کی ہر جنبش میں تصنع تھا مکالمہ ادا کرتے وقت اس کے ابرو پیشہ ور رقاصاؤں کی طرح ناچتے تھے مسکراہٹ بھی غیر دلکش تھی —— لیکن پائی اس پر لٹو ہو گیا۔ چنانچہ اس نے کئی مرتبہ اپنے بدنما دانتوں کی نمائش کی اور مکرجی سے کہا کہ "ونڈر فل اسکرین فیس" ہے۔

وتا رام پائی فلم ایڈیٹر تھا۔ اپنے کام کا ماہر فلمستان چونکہ ایک ایسا ادارہ تھا جہاں ہر شعبے کے آدمی کو اظہار رائے کی آزادی تھی اس لئے دتا رام پائی وقت بے وقت اپنی رائے سے ہم لوگوں کو مستفید کرتا رہتا تھا اور خاص طور پر میرے تمسخر سے دوچار ہوتا تھا۔

ہم لوگوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا لیکن ایس مکرجی نے جس کا نام پارو تھا اس عورت کو پروپیگنڈہ فلم کے لئے منتخب کر لیا۔ چنانچہ رائے بہادر چنی لال نے فوراً اس سے ایک فلم کا کنٹریکٹ معمولی سی تنخواہ پر کر لیا۔
اب پارو ہر روز اسٹوڈیو آنے لگی۔ بہت ہنس مکھ اور گھلو مٹھو

ہوجانے والی طوائف تھی، میرٹھ اس کا وطن تھا، جہاں وہ شہر کے قریب قریب تمام رنگین مزاج رئیسوں کی منظورِ نظر تھی ہزاروں میں کھیلتی تھی، پر اسے فلموں میں آنے کا شوق تھا، چنانچہ یہ شوق اسے کھینچ کر فلمستان میں لے آیا۔

جب اس سے کھل کے باتیں کرنے کا موقعہ ملا تو معلوم ہوا کہ حضرت جوش ملیح آبادی اور مسٹر ساغر نظامی بھی اکثر اس کے ہاں آیا جایا کرتے تھے اس کی زبان بہت صاف تھی، اور جلد ہی جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ چھوٹی آستینوں والے پھنسے پھنسے بلاؤز میں سے اس کی ننگی باہیں ہاتھی کے دانتوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں، سفید، سڈول متناسب اور خوبصورت۔ جلد میں ایسی چکنی چمک تھی۔ جو ولو، لکڑی پر رندہ پھیرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ صبح سٹڈیو آتی، نہائی دھوئی، صاف ستھری، اُجلی سفید یا ہلکے رنگ کی ساری میں ملبوس، شام کو جب گھر روانہ ہوتی تو دن گذرنے کے گرد و غبار کا ایک ذرہ تک اس پر نظر نہ آتا۔ ویسی ہی تر و تازہ ہوتی جیسی صبح کو تھی۔

دتارام پائی اس پر اور زیادہ لٹو ہوگیا۔ شوٹنگ شروع ہوئی نہیں تھی اس لئے اسے فراغت ہی فراغت تھی، چنانچہ اکثر پارو کے ساتھ

باتیں کرنے میں مشغول رہتا۔ معلوم نہیں، وہ اس کے بھونڈے اور کرخت لہجے اس کے اونڈھے سید سے میلے دانتوں اور اس کے ان کٹے میل بھرے ناخنوں کو کیسے برداشت کرتی تھی۔ صرف ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ طوائف اگر برداشت کرنا چاہے تو بہت کچھ برداشت کر سکتی ہے۔

پراپگینڈہ فلم کی کہانی کا ڈھانچہ میرے حوالے کیا گیا کہ میں اس کا بغور مطالعہ کروں، اور جو ترمیم و تنسیخ میری سمجھ میں آئے، بیان کر دوں۔ میں نے اس ڈھانچے کے تمام جوڑ دیکھے، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا بے جوڑ ڈھانچا شاید ہی کسی سے تیار ہو سکے۔ کوئی سر تھا نہ پیر۔ لیکن چونکہ میری قابلیت اور ذہانت کا امتحان تھا۔ اس لئے میں نے اپنا ڈھانچا تیار کیا بڑے خلوص اور بڑی محنت سے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈائرکیشن کے فرائض ستادک واچا کو سونپے جانے والے تھے۔ جو میرا عزیز دوست تھا

نیا ڈھانچا جب فلمستان کی قل بنچ کے سامنے پیش ہوا تو میری وہ حالت تھی۔ جو کسی مجرم کی ہو سکتی ہے۔

ایس مکرجی نے اپنا فیصلہ دیا "ٹھیک ہے اگر اس میں اصلاح کی کافی گنجائش ہے"

گیان مکرجی سے پوچھا گیا تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق منہ سکوڑ کر صرف اتنا کہا "آل موسٹ ٹھیک ہے" ـــــ یہ وہ حضرت تھے جو ایس مکرجی کے ڈائریکٹ کیے ہوئے تمام فلموں کے ڈائریکٹر تھے۔ حالانکہ انہوں نے اپنی زندگی میں ـــــ فٹ بھی فلم ڈائریکٹ نہیں کی گئی تھی۔

اصل میں فلمستان میں کام کرنے کا ڈھب ہی نرالا تھا۔ ہمارا فلم آپ نے ڈائریکٹ کیا ہے۔ لیکن پردے پر نام میرا دیا جا رہا ہے۔ کہانی میں نے لکھی ہے۔ لیکن اس کا مصنف آپ کو بنا دیا گیا ہے۔ بات یہ تھی کہ وہاں سب مل جل کر کام کرتے تھے۔ آپ اس سے اندازہ کر لیجیے کہ دتا رام پائی جسے معلوم ہی نہیں تھا۔ کہ فلمی کہانی کیا ہوتی ہے مجھے مشورے دیا کرتا تھا۔

پراپیگنڈہ فلم کی کہانی لکھنے کی دشواریاں کچھ وہی سمجھ سکتا ہے۔ جس نے کبھی ایسی کہانی لکھی ہو۔ سب سے زیادہ مشکل میرے لیے یہ تھی۔ کہ مجھے پاروکو اس کی شکل وصورت اس کے قد آور اس کی فنی کمزوریوں کے پیش نظر اس کہانی میں داخل کرنا تھا۔ بہر حال بڑی مغز پاشیوں کے بعد تمام مراحل طے ہو گئے۔ اور کہانی کی نوک پلک نکل آئی۔ اور شوٹنگ

شروع ہو گئی۔

ہم نے باہم مل کر مشورہ طے کیا کہ جن مناظر میں پارو کا کام ہے وہ سب سے آخر میں فلمائے جائیں۔ تاکہ پارو فلمی فضا سے اور زیادہ مانوس ہو جائے اور اس کے دل و دماغ سے کیمرے کی جھجک نکل جائے۔ کسی منظر کی بھی شوٹنگ ہو، وہ برابر ہمارے درمیان ہوتی۔ وتارام پائی اب اس سے اتنا گھل گیا تھا کہ باہم مذاق بھی ہونے لگے تھے۔ پائی کی یہ چھیڑ چھاڑ مجھے بہت بھونڈی معلوم ہوتی۔ چنانچہ میں پارو کی عدم موجودگی میں اس کا تمسخر اڑاتا۔ کم بخت بڑی ڈھٹائی سے کہتا: سالے تو کیوں جلتا ہے؟"

جیسا کہ میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں، پارو بہت ہنس مکھ اور گھلو، مٹھو ہو جانے والی طوائف تھی۔ اسٹوڈیو کے ہر کارکن سے وہ اونچ نیچ سے بے پرواہ بڑے تپاک سے ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں مقبول ہو گئیں۔

پارو اکیلی نہیں تھی، اُس کے ساتھ ادھیڑ عمر کا ایک مرد تھا جو قد و قامت میں اُس سے دوگنا تھا۔ میں نے دو تین مرتبہ اُسے پارو کے ساتھ دیکھا۔ وہ اُس کی پنی دیو کم اور "تھامو" زیادہ نظر آتا تھا۔

پارو میں عام طوائفوں ایسا بھڑکیلا یا چھچھورا پن نہیں تھا۔ وہ مہذب محفلوں میں بیٹھ کر بڑی شائستگی سے گفتگو کر سکتی تھی، اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے۔ کہ میرٹھ میں اس کا تعلق اونچی سوسائٹی کے اس طبقے سے تھا جو کبھی کبھی ناشائستگی کی طرف محض تفریح کی غرض سے مائل ہو جاتا ہے۔

پارو اب اسٹوڈیو کی فضا میں رچ گئی تھی۔ فلمی دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی عورت یا لڑکی نئی نئی ایکٹرس بنتی ہے، تو اس کو کوئی نہ کوئی فوراً دبوچ لیتا ہے لیکن پارو کے ساتھ ایسا نہ ہوا۔ شاید اس لئے کہ "فلمستان" دوسرے نگار خانوں کے مقابلے میں بہت حد تک "پاکباز" تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پارو کو کوئی اتنی عجلت نہیں تھی۔

شوٹنگ شروع ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیمرے، مائک اور خیرہ کن روشنیوں سے قطعاً مرعوب یا خائف نہیں۔ مگر جب "ٹیک" کا وقت آیا تو اس کا سارا وجود چوبی ہو گیا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ اس کا چوبی پن دور ہو جائے۔ مگر ناکام رہے۔

اشوک کمار طبعاً جھینپو قسم کا آدمی ہے، وہ کسی عورت سے کھلم کھلا اظہار عشق نہیں کر سکتا (اب سنا ہے کہ کرنے لگا ہے) اس کو پارو پسند نہیں تھی لیکن اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس سے جسمانی تعلق پیدا کرتا۔

عجیب بات ہے کہ اشوک ایسا ڈرپوک اور جنسی اندرونی طور پر سادیت پسند تھا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ چونکہ اپنے جذبات دبا دینے کا عادی ہے، اس لئے ردِ عمل کی صورت میں اس میں یہ سادیت پیدا ہو گئی تھی۔

ہم دونوں اکٹھے اسٹوڈیو سے کار میں جایا کرتے تھے۔ موٹر اس سڑک پر سے بھی گزرتی، جس سے ملحقہ گلی میں پارو کا فلیٹ تھا۔

ایک شام کو جب ہم وہاں سے گزر رہے تھے تو اشوک نے موٹر روک کر مجھ سے کہا۔ آج ہولی کی خوشی میں پارو نے مجھے دعوت دی ہے بولو، جاؤں، یا نہ جاؤں؟"

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے کہا جاؤ۔ ضرور جاؤ۔

کئی دن گزر گئے ــــــ شوٹنگ باقاعدہ ہو رہی تھی۔ ایک شام جب میں اور اشوک واپس گھر جا رہے تھے تو شیواجی پارک کے پاس جہاں پارو کا فلیٹ تھا، اشوک نے موٹر کی رفتار کم کی اور مجھ سے مخاطب ہوا، "منٹو تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں"،

"بتاؤ"

اشوک ہنسنے لگا "میں پارو کے ہاں گیا۔ کھانا کھانے سے فارغ ہوئے

تو وہ میرے ہاتھ دھلوانے کے لئے اٹھی۔"

میں نے اس سے کہا" یہ دلچسپ بات کیا ہوئی۔

اس نے موٹر روک لی اور اس فلیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جس میں غالباً پارو موجود تھی"

جب غسل خانے میں اس نے مجھے تولیہ دیا تو آہستہ سے کہا، کل آپ اکیلے آئیے ۔۔۔ شام کو ساڑھے چھ بجے ۔۔۔ میں گھبرا گیا اور تولیہ وہیں پھینک کر چلا آیا"

میں نے اس سے پوچھا" کیا تم اس روز ساڑھے چھ بجے اس کے ہاں گئے"

" ہاں" اشوک نے اسٹیئرنگ وھیل سے ہاتھ ہٹاتے" لیکن وہاں سے بھاگ آیا"

میں تفصیل جاننا چاہتا تھا لیکن وہ اس سے گریز کر رہا تھا" میں بڑا ڈرپوک ہوں ۔ جانے مجھے ایسے موقعوں پر کیا ہو جاتا ہے ۔۔۔ اس نے مجھے صوفے پر بٹھایا ۔۔۔ آپ قالین پر میرے ساتھ ٹک کر بیٹھ گئی۔ دو پیگ مجھے پلائے ۔۔۔ خود بھی تھوڑی سی پی اور پھر ۔۔۔ اور پھر وہ لگی اپنی محبت جگانے ۔ میں سنتا رہا اور کانپتا رہا۔ جب اس نے میرا ہاتھ

دبایا تو میں اُسے بڑے زور سے جھٹک دیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن فوراً کہیں غائب ہو گئے ـــ وہ مسکرانے لگی۔

ـــ بھیا اشوک! میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی ـــ میں نے کچھ نہ کہا اور نیچے اُتر گیا۔

ـــ کار میں بیٹھا۔ گھر پہونچ کر میں نے آدھا پیگ پی کر سوچا، تو بڑا افسوس ہوا۔

ـــ کیا ہرج تھا اگر میں ـــ"

اشوک کے لہجے میں تاسّف تھا۔

سعادت حسن منٹو

۲ ستمبر ۱۹۵۴ء

"آپ نے آج کے اخبار پڑھے"

"نہیں تو"

"پہلے تو آپ باقاعدگی سے ہر اخبار پڑھا کرتے تھے۔ اب دو دو چٹکے جھک مارتے رہتے ہیں"

"دراصل مجھے اب دنیا کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں رہی"

"کیوں؟ آپ ابھی اتنے بوڑھے تو نہیں ہوئے کہ دنیا سے آپ کو کوئی دلچسپی نہ رہے"

"بات یہ ہے کہ میں اکتا گیا ہوں۔ اخبار اٹھاؤ۔ اس میں سب سے پہلے یہ سرخی نظر آئے گی کہ فلاں قسم کا بم فلاں ملک تیار کر رہا ہے جو ایٹم بم کے مقابلے میں

ایک ہزار گنا ہلاکت آفرین ہوگا۔ آفرین ہے ان بم بنانے والوں پر۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا ان سائنسدانوں کو ہلاک کیوں نہیں کرتا "

"آپ ان کی ہلاکت کی دعائیں کیوں مانگتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ دعا کیجئے کہ میرا قصہ پاک نہ ہو"

"تمہارا قصہ تو ہمیشہ پاک رہا ہے۔ ایک میرا ہی قصہ ہمیشہ سے ناپاک چلا آرہا ہے۔ میں نے بے شمار دعائیں مانگی ہیں کہ یہ کبھی نہ کسی طرح ختم ہو، مگر یہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔"

"اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ بس تھوڑے دن اور انتظار کیجئے"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے"

"میں یہ پوچھتی ہوں، آپ اپنی زندگی کے پیچھے کیوں اس طرح ہاتھ دھو کر پڑے ہیں"

"میں نے صبح سے اب تک ہاتھ دھوئے نہ منہ"

"ایک ہی مذاق کرنا آتا ہے۔ سبحان اللہ آپ میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے"

"دیکھو بیگم۔ میں اس قسم کے نیز شدید بارک ستیزہ کے لئے تیار نہیں۔ تم واہیات انداز میں لپ اسٹک لگاتی ہو، لیکن میں نے کبھی تم سے کوئی ایسا جملہ نہیں کہا کہ بڑھیا گھوڑی لال لگام ہے"

"کہہ تو دیا جو کہنا تھا۔ خبردار جو آپ نے پھر کبھی ایسی زبان درازی کی"

"اب دیکھو نو۔ دکھتی رگ پر ایک تھپڑ لگانے کے لئے ہاتھ رکھ دیا تو تم تڑپ اٹھیں مجھے تم گالیاں دیتی ہو اور میں برداشت کرتا رہتا ہوں۔ یہ بھی کوئی انصاف ہے"

"انصاف کے ٹھیکیدار بن کے آئے ہیں۔ آپ وہاں سے۔"

"کہاں سے؟"

"مجھے کیا معلوم کہاں سے آئے ہیں۔ میں تو صرف اتنا ہی جانتی ہوں کہ اس روز میری قسمت پھوٹ گئی تھی، جب میرے ماں باپ نے مجھے آپ کے پلے باندھا تھا۔ خدا انہیں جنت نصیب کرے۔ مگر ان کی ہڈیاں یقیناً قبر میں بے چین ہوں گی۔ میری چیخیں کیا ان تک نہیں پہنچتی ہوں گی؟"

"یقیناً پہنچتی ہوں گی۔ اور عبد اللہ بخشے میرے والدین بھی ہیں وہ بھی یقیناً اپنی اپنی قبر میں تڑپتے ہوں گے کہ ہم نے اپنے لخت جگر کے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا۔"

"ظلم کیا؟ کیسا ظلم؟ ایک بھیڑ آپ کے حوالے کر دی۔"

"معاف کرنا۔ یہ بھیڑ تو خود آگ کے ساتھ آئی۔ جس کے نتھنوں سے آتش فشاں پہاڑ کا سا لاوا ہر وقت نکلتا رہتا ہے۔"

"بس رہنے دیجیے، اپنی یہ بکواس۔"

"تم دن بدن زیادہ بدتمیز ہوتی جا رہی ہو، یاد رکھو اگر کبھی مجھے غصہ آ گیا ہے۔"

"تو کیا لگاڑ لیں گے آپ میرا ؟ "

"میں تمہارا کچھ لگاڑنا نہیں چاہتا۔ تمہیں لگاڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب کہ تم پہلے ہی سے بگڑی ہوئی ہو۔"

"کیسے ؟ ۔ کیا میں کوئی خراب عورت ہوں ، فاحشہ ہوں "

"لاحول ولا ۔ یہ تم سے میں نے کب کہا ۔ اصل میں تمہارا دماغ صحیح حالت میں نہیں "

"میرا دماغ صحیح حالت میں نہیں ، کہ آپ کا ، جو ایسی اُول جلول باتیں کر رہے ہیں "

"اچھا بھئی میرا دماغ ہی ماؤف ہے ، مجھے بخش دو ۔ مجھے سونے دو ۔"

"آپ کو معلوم ہے اس وقت کتنے بج رہے ہیں ؟ "

"بجنے دو جو بجتا ہے ، میں کون سے دفتر میں حاضری دینا ہے ۔ "

"یہی تو ساری مصیبت کی جڑ ہے ۔ اگر آپ کو کسی دفتر میں ہر روز حاضری دینا پڑتی تو آج یہ نوبت نہ آتی کہ ڈھائی بجنے والے ہیں اور آپ ابھی تک بستر پر استراحت فرما رہے ہیں "

"ڈھائی بجنے والے ہیں "

"جی ہاں "

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا ؟"

"ناشتہ آپ کیا کرتے ۔ دوپہر کا کھانا بھی پڑا پڑا ٹھنڈا ہو گیا ہے لیکن ملنی ٹلنے

سوتے رہے۔"

"کون کم بخت سویا ہیں تو صرف لیٹا تھا تاکہ تھکن دور ہو جائے"

"آپ سے کون سے ہل جوتے تھے کہ آپ اس قدر نڈھال ہو گئے کسی دفتر میں آپ ملازم ہیں نہ کسی سرکاری محکمے کے انچارج پڑے مکھیاں مارتے رہتے ہیں"

"مکھیاں مارنا بڑا کٹھن کام ہے۔ تم مجھے ایک مکھی مار کے دکھا دو تو مان جاؤں"

"اب لگے میرا امتحان لینے۔ مکھی مارنا کیا مشکل ہے۔"

"یہاں اس کمرے میں آپ کی طفیل کافی مکھیاں موجود ہیں جنہوں نے مجھ پر آرام اور چین حرام رکھا ہے۔ آپ ایسا کیجئے، ان ہزاروں میں سے ایک مکھی مجھے مار کے دکھا دیجئے میں آپ کا غلام بن جاؤں گا"

"ایک کیا۔ میں ساری ختم کئے دیتی ہوں۔ یوں چٹکیوں میں"

"اچھا۔ دیکھتے ہیں۔!"

"آپ کے دیکھتے دیکھتے تو یہ سب کی سب ختم ہو چکی ہوں گی"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے"

"میں اس پنکھے سے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں گی"

"پہلے اس مکھی سے کرو جو بار بار میری ناک پہ بیٹھتی ہے۔ معلوم نہیں اس کو میری ناک سے اتنی گہری دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔"

"چلیے بسم اللہ اسی سے ہوتی ہے۔ بہت تیز ہے؟"

"میری ناک، دیکھیے، اپنی جگہ پر ہے کہ اُڑ گئی ہے؟"

"آپ کی ناک کہاں اُڑے گی۔ اتنی بڑی ناک کیا اُڑ سکتی ہے۔ یہ بھلا کہیں اُڑ سکتی ہے۔ آپ اُڑ جائیں تو اُڑ جائیں، مگر یہ اپنی جگہ ہمیشہ سلامت رہے گی۔"

"مکھی کا کیا ہوا؟"

"مر گئی ہو گی"

"ذرا اُس کی لاش کی تلاش کیجیے، تاکہ مجھے اطمینان ہو۔ صبح چھ بجے سے اب تک مجھے تنگ کر رہی تھی۔ خدا کی قسم میرا جی چاہتا تھا کہ اپنی ناک کاٹ ڈالوں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ پر اپنی ناک کون کاٹ سکتا ہے۔ اوروں کی تو ہمیشہ دوسرے ہی کاٹتے چلے آئے ہیں۔ سو میں نے یہ سوچا کہ دوسروں کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ یہی میری غلطی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ڈھائی بجے تک لیٹا رہا۔ تم اس کی لاش تلاش کرو تاکہ میری روح کو تسکین پہنچے"

"وہ اُڑ گئی تھی"

"لوٹ تو آئی، پھر میری ناک پر"

"اب کے تو میں چھوڑوں گی نہیں"

"دیکھو، میری ناک کو الگ کر دینا، تمہیں پکوڑے بڑے اچھے لگتے ہیں۔

"یہ وقت مذاق کرنے کا نہیں — میں نے آپ کا چیلنج قبول کیا ہے — اب اگر آپ کی ناک جائے یا مکھی مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں —"

"دیکھو احتیاط سے"

"جنگ میں ہر چیز جائز ہے —"

"خدا کے لیئے تم سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا کرو۔ ایک مکھی مارنے کے لیئے ٹیبل ٹینس کے بیٹ کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہتھیار ہے — پنکھا ناکام ثابت ہوا تو میں نے اسے نکال۔ آپ خاموش رہیں"

"میری ناک گئی — اوہ! میرے خدا۔ کتنی زبردست چوٹ لگی ہے۔ بلبلا اٹھا ہوں"

"مکھی بھی تو مر چکی ہے"

"خدا کرے مر چکی ہو۔ لو وہ پھر آگئی"

"بڑی ڈھیٹ ہے۔"

"عورتیں اور مکھیاں ہوتی ہی ڈھیٹ ہیں"

"عورتیں اگر مکھیاں ہوتیں تو آپ کی طبیعت صاف کر دیتی — ابھی یاوہ گوئی بند کیجئے۔ اور دیکھئے کہ میں کس طرح اس پچکو مکھی کو ہلاک کرتی ہوں"

"اس کو ہلاک کرتے کرتے تم مجھے ہلاک کر دوگی۔ میں مکھی کو ہٹا دیتا ہوں، تم ذرا تھوڑی دیر کے لئے میری ناک سہلا دو کہ میں تمہارے حملے کے لئے تیار ہو جاؤں"

"مکھی تو آپ نے اُڑا دی"

"ابھی آجائے گی۔ اس کو میری ناک سے پیار ہو گیا ہے"

"خاک آئے گی اب"

"تو فی الحال تم کسی دوسری مکھی کو مارنے کی کوشش کرو۔ ہزار دل ہیں"

"نہیں بسم اللہ مجھے اسی مکھی سے کرنا ہے"

"کرو۔ خدا تمہیں کامیابی نصیب کرے"

"ابھی تک آئی نہیں۔"

"آجائے گی۔ کچھ فکر نہ کرو۔ وہ مکھی بھی بالکل تمہاری طرح ہے۔ میرا پیچھا کبھی نہیں چھوڑے گی"

"جہنم میں جائے وہ مکھی اور وہیں جائے آپ کی ناک۔ مجھے آپ نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ بار بار مجھے ذلیل کئے جا رہے ہیں۔ ان مکھیوں پر میں بھیجتی ہوں ہزار لعنتیں۔ آپ سے جو میں نے پوچھا تھا اس کا جواب دیجیے"

"آپ نے کیا پوچھا تھا"

"تو اب آپ کا حافظہ بھی اتنا کمزور ہو گیا کہ دو منٹ پہلے کی بات بھول گئے۔"

"کیا پوچھا تھا تم نے"

"میں نے پوچھا وُوچھا کچھ نہیں تھا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ آج کے اخبار کیا آپ نے

پڑھے۔"

"گویا یہ پوچھنا نہ ہوا "

"میں نہیں جانتی۔ آپ تو ہر بات کی مین میخ نکالنے کے عادی ہیں "

"میں نے عرض کر دیا تھا کہ میں نے اخبار نہیں دیکھے، اس لئے کہ اب مجھے دنیا کے کسی کاروبار سے دلچسپی نہیں رہی۔"

"دنیا جائے بھاڑ میں۔ میں ایک خاص خبر کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا ہے وہ خاص خبر "

"آپ نے پڑھی ہی نہیں، تو میں کیا بتاؤں؟ "

"تم نے تو پڑھی ہے۔ مجھے سنا دو۔ آخر ایسی اس میں کون سی بات ہے جس نے تمہیں اتنا مضطرب بنا دیا ہے۔

"کوئی بات تو ہوگی ایسی "

"وہ بات کیا ہے؟ "

"خبر تھی ــ خبر تھی کہ پٹیالہ ریاست میں ایک عورت نے بیک وقت چار بچے۔ چار بچے جنے ہیں۔"

"تو کیا ہوا ــــ عورتیں اس سے پہلے بیک وقت چھ چھ بچے پیدا کر چکی ہیں جو زندہ ہیں۔"

"سبحان اللہ — یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس دنیا میں ہر چیز ممکن ہے — لیکن تم اس قدر پریشان کیوں ہو۔"

"شہزادی صاحبہ — میں بہت خوف زدہ ہوں — مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ....."

"کیا محسوس ہوتا ہے؟"

"کہ اس کی طرح مجھے بھی کہیں اتنے ہی بچے پیدا نہ کرنے پڑیں۔"

نرم خوش رانی

" آج گھر میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں "

" تو میں کیا کروں ؟ "

" آپ نے کبھی کچھ کیا ہے — ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے ، گھر بار کا آپ کو کچھ فکر ہی نہیں ۔ بچیوں کے منہ ہاتھ دھونے ہیں — اتنے کپڑے میلے پڑے ہیں ۔ انھیں دھونا ہے ۔ باورچی خانے میں میلے کپڑوں کا انبار لگا ہے — نوکر انھیں کیسے صاف کرے گا — اس کو تو ایک بہانہ مل جائے گا — کہے گا بی بی جی ، میں انھیں کیسے دھوؤں ۔ ؟ پانی تو ہے نہیں — آپ پانی کا بندوبست کیوں نہیں کرتے کب تک یونہی چلے گا یہ سلسلہ ۔ ؟ "

" بھئی ، پانی کا بندوبست میں کیسے کروں ؟ "

" دونوں غسل خانے بدبو سے بھرے ہوئے ہیں — —

نمائش سسٹم نہ ہوتا تو الگ بات تھی۔ آپ تو ہر وقت بس اخبار پڑھتے
رہتے ہیں۔ اِن سے آپ کو آخر کیا حاصل ہوتا ہے۔ میں تو ایک سطر
پڑھ کر ہی تنگ آجاتی ہوں۔ فضول بکواس لکھی ہوتی ہے"
" اخباروں کے متعلق تم کچھ نہ کہو ——— ٹیبب ڈیل کی بات کرو جس کی
موٹر خراب ہوگئی ہے "
" اُس کی بات تو میں کر رہی تھی ——— لیکن آپ نے خواہ مخواہ مجھے
نگوڑے اخباروں میں الجھا دیا"
" ہر بات میں الجھانے والا میں ہی ہوتا ہوں، حالاں کہ خدا و احار
شاہد ہے، میں نے اخبار کی بات ہی نہیں کی تھی "
" بات نہیں کی تھی ——— لیکن آپ اخبار پڑھ تو رہے تھے۔
ابھی تک آپ کے ہاتھوں میں ایک اخبار موجود ہے"
" اِس سے کیا ہُوا ؟ مجھے دنیا کے حالات سے باخبر رہنا
چاہیئے۔"
" لیکن گھر سے نہیں ——— پانی بند ہے۔ کربلا آئی ہے اور آپ
غافل ہیں ——— دنیا کے حالات سے باخبر ہو رہے ہیں "
" بھئی، میرا ٹیبوب ڈیل پر کیا اختیار ہے ——— آدمی اچانک

بیمار ہو جاتا ہے، کیا موٹر کو کوئی عارضہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک ہو جائے گی ——— گھبراتی کیوں ہو ؟"

"آپ کو گھر سے کوئی دلچسپی ہو تو میں آپ سے کچھ کہوں صبح میں نے ساگ لیا ہے، اب میں اسے اپنے آنسوؤں سے دھوؤں !"

"اگر ہو سکتا ہے تو دھولو ———"

"خدا کی قسم آپ جیسا پتھر دل انسان میں نے کبھی نہیں دیکھا ——— چھوڑیئے اس اخبار کو "

"دیکھو پھٹ جائے گا !"

"پھٹ جائے میری جوتی سے "

"ٹھیرو ٹھیرو ! میں ایک بڑی دلچسپ خبر پڑھ رہا ہوں "

"کیسی خبر ؟"

"لو سنو، ایک عورت کو تین سال قید ——— راجہ مہدی علی خان مجسٹریٹ درجہ اوّل نے مسمات نورجہاں، اُس کے خاوند اور ایک اور ملزم کو تین تین سال قید بامشقت اور سو سو روپے جرمانے کی سزا دی ہے ——— عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چھ

چھ ماہ کی اور سزا دی جائے گی ــــ واقعات یوں بیان کیے جاتے ہیں کہ مسمّات نورجہاں کے ایک شخص سے ناجائز تعلقات تھے، جسے ملزمہ نے اپنے شوہرا ور دوسرے ملزم کے کہنے پر حلوے میں زہر ملا کر کھلا دیا۔"

" میرے کس سے ناجائز تعلقات ہیں ؟"

" توبہ ــــ میں نے کب کہا ــــ صرف خبر پڑھ کر سنائی ہے تم تو خدا کی قسم حد کرتی ہو "

" میں کیا حد کرتی ہوں ــــ حد تو آپ کرتے ہیں ــــ کوئی شریف خاوند اپنی بیوی پر ایسا کمینہ حملہ نہیں کر سکتا "

" سبحان، میں نے کون سا حملہ تم پر کیا ہے ؟"

" میرا نام بھی وہی ہے جو اس کم ذات کا ہے "

" تمہاری ذات تو بہت اونچی ہے۔ کنگ وائین ہو "

" یہ سراسر طنز ہے "

" تم نے رونا کیوں شروع کر دیا ــــ ؟"

" تو اور کیا ہنسوں ؟ قہقہے لگاؤں ــــ اصل میں آپ مجھ سے بد دل ہو گئے ہیں۔ میں میکے چلی جاؤں گی "

"شوق سے جاؤ، مگر بچیوں کا کیا ہوگا ؟"

"جہنم میں جائیں بچیاں — کسی یتیم خانے میں داخل کروا دیجیئے گا —"

"یتیم تو میں ہوں — میرا باپ زندہ ہے نہ ماں — میں خود ہی یتیم خانے میں داخل کیوں نہ ہو جاؤں"

"ہو جایئے، ساتھ اپنی اولاد کو بھی لیتے جایئے گا — میں آج جا رہی ہوں —"

"کہاں — ؟"

"کہہ تو چکی ہوں، اپنے میکے"

"لیکن نہا دھو کر جاؤ —"

"نہاؤں کیسے — ؟ پانی کی ایک بوند بھی گھر میں نہیں"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتیں — لوکھو سے کہو، کسی ماشکی کو بلا لائے — دو تین مشکیں ڈال دے گا — آج کا دن آرام سے گزر جائے گا —"

"میں نے بلایا تھا ایک ماشکی کو — وہ چار آنے ایک مشک کے مانگتا تھا — میں نے اُسے رخصت کر دیا — میں اتنی چھوٹی سی

مشکل کے بعد۔ اتنے پیسے نہیں دے سکتی ــــ صریحاً چور بازاری ہے۔"

"بیگم اس میں چور بازاری کیا ہے ــــ تمھیں معلوم ہے انہیں پانی کہاں سے لانا پڑتا ہے ــ آس پاس کوئی کنواں نہیں، میونسپلٹی کا کوئی نل نہیں ــــ وہ غریب دور سے چوری چھپے پانی بھرتے ہیں۔ اگر پکڑیں جائیں تو اُن پر ڈنڈ پڑ جائے۔"

"آپ تو کمیونسٹ ہیں ؟"

"لاحول ولا ــــ میں لعنت بھیجتا ہوں ان پر۔"

"لعنت بھیجتے ہیں اُن پر ــــ ! میں آپ کی سرشت کو اچھی طرح جانتی ہوں ــــ صرف گرفتاری کے ڈر سے آپ اپنے کمیونسٹ ہونے کا اعلان نہیں کرتے، ورنہ آپ تو پکے کمیونسٹ ہیں۔"

"یہ بھی عجیب رہی ــــ میں اُن معنوں میں قطعاً کمیونسٹ نہیں ہوں، جو کمیونسٹ اپنے رسالوں میں بیان کرتے ہیں۔"

"خیر چھوڑیئے اس بحث کو، مجھے نہانا ہے۔"

"تو نہا بیٹھئے ــــ آپ کو کس نے روکا ہے ؟"

"پانی کہاں ہے — میں اسی کا رونا تو رو رہی تھی۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔"

"میں جیسے ہر وقت روتی ہی رہتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں — تم کبھی کبھی مسکراتی بھی ہو، ہنستی بھی ہو۔"

"ہنسنا تو خیر مجھے ابھی تک نصیب نہیں ہوا — آپ نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔"

"کوئی وجہ بھی تو بتاؤ۔"

"پانی کے متعلق آپ نے کچھ بھی نہیں کہا۔"

"میں نے سیکرٹری سے پوچھا تھا — اُس نے مجھ سے کہا کہ ٹیوب ویل کی موٹر کا پمپ کام نہیں کرتا — شام تک ٹھیک ہو جائے گا۔ مستری کام پر لگے ہوئے ہیں۔"

"مستری کام پر لگے ہوئے ہیں — ! وہ کچھ جانتے ہی نہیں پچھلے مہینے دس روز تک جھک مارتے رہے، مگر ہمیں پانی نہ ملا۔ اصل میں آپ بہت نااہل ہیں — اس کے علاوہ جہاں تک میں سمجھتی ہوں، آپ سیکرٹری سے ملے ہوئے ہیں، جبھی تو آپ اُس

کی اتنی طرف داری کرتے ہیں ۔"

" میں اُس کی طرف داری کیا کرتا ہوں ؟ "

" ہر وقت آپ کے پاس بیٹھا رہتا ہے ۔۔۔ آپ اُس کی خاطر داری کرتے ہیں ۔۔۔ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں اُس کے لیے ناشتہ تیار کرا دُوں ۔۔۔ اُس کو لیمن اسکا بج پلا دُوں ۔۔۔ گھنٹوں آپ کے ساتھ باتیں کرتا رہتا ہے ۔ معلوم نہیں کیا ؟ "

" جیسے تمھیں معلوم نہیں کیا ۔۔۔ ایسی کوئی عورت مجھے بتا دو جس کو دوسروں کی باتیں چھپ کر سننے کی عادت نہ ہو ۔"

" میں سب کچھ سنتی رہی ہوں ۔۔۔ اور میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُس کی اور آپ کی گاڑھی چھنتی ہے ۔۔۔ وہ پرلے درجے کا بدمعاش ہے ۔"

" اور میں ۔۔۔؟ "

" آپ اُس سے کسی قدر کم ہوں گے ۔"

" یہ آج تم نے میرے متعلق نیا فیصلہ سنا دیا ۔"

" دیکھیے ! زیادہ باتیں کرنا فضول ہے ۔۔۔ آپ پانی کا بندوبست کیجیے ۔۔۔ میں چار دن سے بغیر غسل کے ہوں ۔"

" پانی آج بند ہوا ہے، آپ چار دن سے بغیر غسل کیوں ہیں ؟"

" بس ہوں ـــ مجھے فرصت ہی نہیں ملی "

" آج مجھ سے لڑنے کی فرصت مل گئی ہے "

" کل میری طبیعت اتنی خراب تھی ـــ قے پہ قے ہو رہی تھی۔ آپ نے مطلق میری طرف دھیان نہ دیا۔ صرف اتنا کہہ دیا کہ بدہضمی کی شکایت ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں گی "

" تم ٹھیک تو ہو گئی تھیں "

" خاک ٹھیک ہو گئی تھی ـــ پورے سات دن بستر پر پڑی رہی ایسا لگتا تھا کہ بس اب موت آنے والی ہے "

" مگر وہ آئی نہیں "

" آپ تو چاہتے تھے کہ میں مر جاؤں ـــ لیکن خدا نے مجھے بچا لیا "

" میں کیوں چاہتا تھا کہ تم مر جاؤ "

" کفلیوں میں زہر آپ ہی نے تو ملایا تھا "

" تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے "

" آپ نے کیوں نہ کھائی ؟ "

" اس لیے کہ مجھے پسند نہیں ـــ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے دودھ

کی صورت میں بھی پسند نہیں ۔۔۔ میں نے شاید اپنی زندگی میں صرف اپنی ماں کا دودھ پیا ہوگا۔۔ اس کے بعد میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا ۔"

"میں نہیں مانتی ۔۔۔ اُس روز آپ نے یقیناً کلفیوں میں زہر ملا دیا تھا تاکہ میرا خاتمہ ہو جائے ۔"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ مجھے اخبار پڑھنے دو ۔۔۔ یہ لو، ایک خبر ہے ۔۔۔ خراب قلفیوں کی وجہ سے کئی آدمی ہلاک ہو گئے ۔ لاہور۔ ۳۰ ر اگست ۔۔۔ اطلاع ملی ہے کہ ایک قلفی والا قلفیاں بیچتا تھا۔ کئی آدمیوں نے اُس سے خریدیں ۔ ان کا کون میں سے تین آدمی زہریلی قلفیوں کے باعث ہلاک ہو گئے ۔ پوسٹ مارٹم کیلئے ان کو ہسپتال بھیج دیا گیا ہے ۔۔ زہر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُس نے قلفیوں کے سانچے اچھی طرح صاف نہیں کیئے تھے ۔"

"میرا خیال ہے آج گھر ہی میں آئیس کریم بنائیں ۔"

۹۲

سعادت حسن منٹو

۷ اگست ۱۹۵۴

"چلیے عُرس دیکھنے چلیں"

"عُرس ... میں کیا رکھا ہے — محض بکواس ہوگی ۔"

"آپ کے نزدیک تو ہر اچھی اور معقول چیز بکواس ہوتی ہے — داتا صاحب کا دربار بھی نعوذ باللہ آپ بکواس سمجھتے ہیں ۔"

"دربار وربار میں نہیں جانتا — ان کا مزار کہو — اس میں کیا بُرائی ہو سکتی ہے — لیکن —"

"لیکن کیا ؟"

"یہ کہ وہاں دن رات بد سے بدترین افعال ہوتے ہیں :"

"مثال کے طور پہ ؟"

"جؤا وہاں کھیلا جاتا ہے — شراب وہاں پی جاتی ہے — گانجا، چرس، مدہمک اور افیون عام ملتی ہے — حرام کاری کا سلسلہ بھی صبح و شام جاری رہتا ہے ۔"

"یہ آپ کو کس نے بتایا —— ؟"

"تم اخبار پڑھتی ہو —— تمہیں ان باتوں کا علم ہونا چاہیئے"

"اخباروں کی اور آپ کی باتیں ہمیشہ جھوٹی ہوتی ہیں — آپ یہ کہیئے کہ عُرس دکھانے لے چلیئے گا یا نہیں ؟"

"جی نہیں — میں ایسی واہیات جگہ جانا نہیں چاہتا، جہاں گنڈوں کی محفل جمی ہو —— بھانڈ ناچ رہے ہوں —— ہیجڑے کولہے مٹکا مٹکا کر چل رہے ہوں ——"

"توبہ —— مجھے نہیں لے جانا چاہتے تو صاف صاف کہہ دیجئے۔ آپ تو یقیناً جائیں گے۔"

"شاید چلا جاؤں"

"آپ کیوں جائیں، جب کہ آپ کی نظروں میں عُرس نہایت فضول اور واہیات ہے"

"جاؤں گا، تو صرف اس لئے کہ شاید میری معلومات میں اضافہ ہو جائے"

"آپکی معلومات میں کیا اضافہ ہوگا۔ آپ تو ماشاءاللہ دنیا کے تمام اسرار و رموز سے واقف ہیں"

"تم طنز سے باز آجاؤ —— میں ابھی طفلِ مکتب ہوں — میں تمہیں ابھی

تک مکمل طور پر نہیں سمجھ سکا۔"

"مجھے سمجھنے کی آپ نے کبھی کوشش ہی نہیں کی — ان چار برسوں میں آپ نے جب مجھے نہیں سمجھا، تو کب سمجھیں گے — جب میرا جنازہ نکل رہا ہوگا، اس گھر سے؟"

"جنازہ تو پہلے میرا نکلے گا —!"

"جنازوں کی بات چھوڑیئے — مجھے یہ بتائیے کہ عُرس پر لے چلئے گا یا نہیں"

"میں اپنے فیصلے سے تمہیں آگاہ کر چکا ہوں"

"آپ کوئی ہائی کورٹ تو نہیں — مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کل عُرس پر گئے تھے"

"تمہیں کس ذریعے سے یہ معلوم ہوا"

"کسی بھی ذریعے سے — لیکن آپ انکار کیجئے — کیا آپ کل شام وہاں نہیں گئے تھے؟"

"گیا تھا"

"تو مجھے ساتھ لے جانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟"

"کہہ تو چکا ہوں وہاں کی فضا شریف آدمیوں کے لائق نہیں — مجھے تو

خدا کی قسم بڑی کوفت ہوئی، اس لئے کہ چاروں طرف گنڈے تھے، یا طوائفیں۔
"ہمیں ان سے کیا واسطہ۔۔ ہم تو عُرس دیکھنا چاہتے ہیں ۔۔ ان سے ملاقات کرنے تھوڑا ہی جانا چاہتی ہیں"
"وہ تو آپ سے ملاقات کرنے کی غرض ہی سے آتے ہیں، ورنہ انہیں داتا صاحب سے کیا دلچسپی ہے؟"
"میں تو ویں جُوتوں سے اس کی مرمت کر دوں"۔
"جب دوسرے روز اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگی، تو کتنی نیک نامی ہوگی، میری اور تمہاری؟"
"خیر! اس قصے کو چھوڑیئے ۔۔ مجھے عُرس دیکھنا ہے ۔۔ میں نے سُنا ہے کہ مزار کے آس پاس تھیٹر بھی لگے ہیں"
"لگے ہیں ۔۔ اب اُن کا احوال بھی سُن لو ۔۔ بھاٹی دروازے پر ایک تنبو میں تھیٹر ہے۔ اس میں سلطان صلاح الدین بڑے بہادر مسلمان تھے جنہوں نے شیر دل رچرڈ کو شکست دی تھی"
"مجھے معلوم نہیں انہوں نے شکست دی تھی یا کھائی تھی ۔۔ تاریخ میں ہمیشہ کمزور رہا ہوں ۔۔ بہرحال اس ڈرامے کا آخری سین تمہیں کبھی نہیں بھولے گا ۔۔ رچرڈ شیر دل ٹماس پھوس کی بنی ہوئی پہاڑی کے دامن میں لکڑی کی تلوار کمر میں لٹکائے کھڑا ہے کہ اس کا وزیر آتا ہے اور اس کو آداب عرض

کرکے یہ پوچھتا ہے —"

"کیا؟"

"حضور، اب یروشلم کی زیارت کب ہوگی؟"

"وہ کیا جواب دیتا ہے؟"

"ایسا جواب دیتا ہے کہ لاجواب کر دیتا ہے۔"

"بتائیے نا؟"

"شیر دل رچرڈ زور سے ہاتھ اپنے ماتھے پر مارتا ہے، جیسے اپنی تقدیر کے منہ پر طمانچہ مار رہا ہے — اور پھر گانا شروع کر دیتا ہے۔"

"ہاں نے — یہ گانا تو لاجواب ہوگا۔

"بہت لاجواب تھا — کن سُری آوازیں آپ نے یہ الاپنا شروع کیا ہے

ان حسرتوں سے کہہ دو کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغ دار میں

"شعر تو بڑا اچھا ہے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں — لیکن شیر دل رچرڈ نے اس کی اپنی آواز سے وہ چھیڑ چھاڑ کی کہ جی چاہتا تھا کہ اس کی لکڑی کی تلوار اس کی کمر سے اتار کر اس کے حلق میں ٹھونس دیں۔"

"آپ تو ناحق کسی کے دشمن بن جاتے ہیں — ہو سکتا ہے، وہ سُر بھلا ہو — آپ کہاں کے تان سین ہیں؟"

میں نے خود کو تان سین کب کہا ہے۔ لیکن میں نے اپنے وقت کے تمام اچھے گویّوں کو سُنا ہے — موسیقی کی ہزاروں محفلوں میں شرکت کی ہے"

"آپ بڑا ہانکتے ہیں — بھلا بتایئے تو آپ نے کس کس گویّے کو سُنا ہے ؟"

"خاں صاحب، عاشق علی خاں کو — بیبے خاں کو — چھوٹے اور بڑے غلام علی خاں کو — ہیرا بائی بڑودکر کو — روشن آرا کو — رفیق غزنوی اور فیروز نظامی کو — اب میں تمہیں اور کتنے نام بتاؤں — ہاں — مچھر خاں کو بھی"

"یہ مچھر خاں کیا ہوا — ابھی آپ کہہ دیں گے کھٹمل خاں کو بھی سُنا ہے"

"مجھے معلوم نہیں، اُس کا اصل نام کیا تھا، لیکن لوگ اُسے مچھر خاں ہی کے نام سے پکارتے تھے — اس کی ایک خاص وجہ تھی کہ جب وہ گاتا تھا تو گرہ پر آتے وقت زور سے اپنی ٹانگوں پر اس طور پر زور سے دھپّڑ مارتا جیسے کوئی مچھر مار رہا ہے — غالباً اسی لئے اس کا نام مچھر خاں پڑ گیا تھا۔

"آپ مجھے بنایئے نہیں — کوئی آدمی اپنا نام مچھر خاں برداشت

نہیں کر سکتا۔"

"وہ تو کرتا تھا ـــــ اب تم یقین کرو، یا نہ کرو"

"مجھے آپ کی کس بات پر یقین نہیں ـــ آپ یہ بتایئے کہ ٹُورس پر مجھے لے چلنے گا یا نہیں"

"میں اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہوں"

"آپ کیوں گئے تھے وہاں؟"

"اپنی معلومات میں اضافہ کرنے۔"

"کیا اضافہ ہوا؟"

"بہت سے اضافوں میں سے ایک اضافہ اور سن لو ـــ لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ لیلیٰ کا باپ امریکی طرز کی بُش شرٹ پہنے اسٹیج پر ٹہل رہا تھا سر پر عربی وضع کا رومال باندھے تھے۔ مجنوں، وِنگ سے اسٹیج پر آتا ہے۔ لیلیٰ کا باپ چونک کر اُس سے مخاطب ہوتا ہے۔

"کیوں مجنوں، کیا قصہ ہے؟"

مجنوں صاحب فرماتے ہیں "حضور کھلوائی اور ہے ـــ ذرا حاضری دینے آیا تھا ـــ جیسے کوئی خالی مشک، بھرنے آیا ہو۔"

"لیلیٰ کا باپ اس پر کیا کہتا ہے۔"

"کہتا ہے ـــ اتنے مجنوں تیری آواز کیوں پست ہے؟" ـــــ وہ جواب

دیتا ہے "حضور شادی کا بندوبست ہے"

"باپ کیا کہتا ہے۔؟"

"باپ اس سے پوچھتا ہے! کس کے ساتھ؟ — مجنوں صاحب جواب دیتے ہیں! حضور، آپ کی دختر نیک اختر کے ساتھ"

"باپ کو طیش نہیں آتا؟ کتنا بدتمیز تھا یہ مجنوں"

"ہر عاشق بدتمیز ہوتا ہے"

"آپ نے کبھی یہ بدتمیزی کی ہے"

"صرف تمہارے ساتھ"

"آپ مجھ سے اس قسم کے مذاق نہ کیا کریں — میں سوجانتی ہوں آپ کو مجھ سے کتنا پیار ہے!"

"میں پیار کی نہیں، بدتمیزی کی بات کر رہا تھا"

"بدتمیزیاں تو آپ اکثر کرتے رہتے ہیں"

"میں نے تو آج تم سے کوئی بدتمیزی نہیں کی"

"خیر، چھوڑیئے! اس قصے کو؟"

"اور قصہ کیا شروع کروں؟"

"آپ مجھے یہ بتایئے کہ لیلےٰ کے باپ نے کیا کہا؟"

"اس نے کہا، یہ شادی ہرگز نہیں ہو سکتی"

"مجنوں نے کیا کہا؟"

"اُس نے کہا، کیوں؟ — کس لئے؟ — کیوں کر؟ — کیسے"

"بڑا مونٹی آدمی تھا۔"

"میری اُس سے تو ملاقات نہیں ہوئی — لیکن میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ڈرامہ دیکھ کر میری طبیعت صاف ہوگئی — لیلیٰ کے باپ مجنوں سے کہہ رہے تھے اس لئے کہ تو ادیب عالم ہے اور لیلیٰ نے منشی فاضل پاس کر لیا ہے۔ اور حضرتِ مجنوں یہ صد سجاجت یہ مکالمہ ادا کر رہے تھے، نہیں حضور، میں ابھی منشی فاضل کا امتحان دے رہا ہوں"۔

"تو یقیناً یہ ڈرامہ بہت دلچسپ ہوگا — کیا واقعی مجنوں منشی فاضل کا امتحان دے رہا تھا۔"

"اُس زمانے میں ممکن ہے کہ منشی فاضل یا ادیب عالم کی کلاسیں ہوتی ہوں — مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں — مجنوں نے اپنے وصف بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ٹائپ کرنا جانتا ہے"

"میرا خیال ہے، لیلیٰ کے باپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے تھا — کیا وہ شاعر بھی تھا؟"

" نہیں گانا جانتا تھا ـــ رہنے والا عرب کا تھا، مگر اردو زبان میں گانا گاتا تھا ـــ لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بَن بن ـــ لیلیٰ موری بسیں مورے من میں "

" یہ بول تو بڑے اچھے ہیں ـ ضرور مجنوں ہی نے سنائے ہوں گے "

" اس کا باپ ۔ نہیں سکتا تھا ـ اس کو تو لیلیٰ کے کتے ہی سے عف عف اور پیار کرنے سے فرصت نہیں ملتی تھی "

" وہ اس کے کتے سے کیوں پیار کرتا تھا؟ "

" اس لئے کہ لیلیٰ اس کو ملتی نہیں تھی ـ کیا کرتا بیچارہ "

" میں نے کہا، یہ عاشق لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں؟

" مجھے کیا معلوم ـــ میں نے کبھی اس قسم کا عشق کیا ہو تو کچھ بتا بھی دوں ـــ میں ایسی باتیں نہیں جانتا ـ اللہ بہتر جانتا ہے ـــ عورت کو چھوڑ کر کتے سے پیار کرنا ـ اس کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا "

" آپ تو اپنی کتیا سے بہت پیار کرتے ہیں "

" وہ کتیا تمہاری نہیں ـــ میری ہے، یعنی لیلیٰ کی نہیں "

" آپ جا کہاں رہے ہیں؟ ـــ "

" اپنی کتیا کو سیر کرانے "

"اور مجھے مُرسس پر نہیں لے جائیں گے؟"

سعادت حسن منٹو

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء
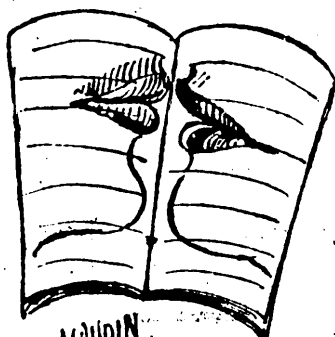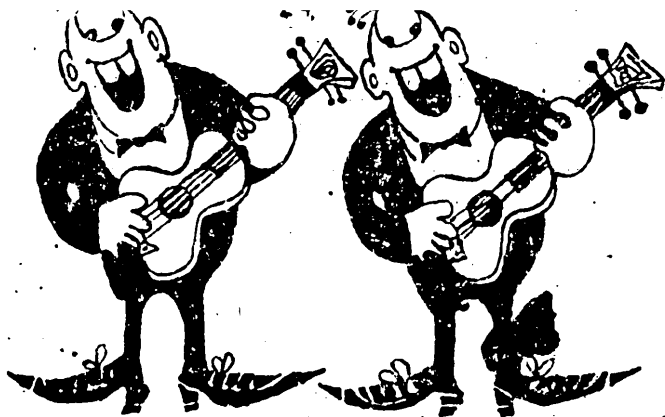
کنٹرولستان

پردہ اٹھتا ہے تالیوں کی آواز آتی ہے اسٹیج پر ایک خوبصورت ساز و سامان والا کمرہ نمودار ہوتا ہے ایک جوان لڑکی روتی ہوئی اس کمرہ میں داخل ہوتی ہے۔ الماری میں سے ایک خوبصورت بوتل نکالتی ہے۔ اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔ یہ زہر ہے۔ انگریزی، اردو، ہندی، گجراتی مرہٹی اور سندھی۔ ان سب زبانوں میں اس بوتل پہ لکھا ہے۔ کہ یہ زہر ہے میں اسے پی لوں گی اس لئے کہ جس سے مجھے محبت تھی وہ اب دنیا میں نہیں رہا سماج نے پہلے اس کو مجھ سے جدا کیا اور اب اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اب میری زندگی فضول ہے میں یہ زہر پی لوں گی اور ہمیشہ کے لئے اس کے پاس چلی جاؤں گی پھر یہ ظالم سماج ہمیں ایک دوسرے سے ہرگز ہرگز جدا

نہیں کرسکے گا گندن کندن ہیں آرہی ہوں استنے میں ایک موٹی
آواز آتی ہے "ٹھہرو!"
لڑکی ہونٹوں سے بوتل جدا کر دیتی ہے کمرے میں ایک موٹی ناک والا
ادھیڑ عمر کا آدمی داخل ہوتا ہے۔ لڑکی پلٹتی ہے اور اس سے پوچھتی ہے "کون؟"
آدمی! تمہارا چچا!
لڑکی:۔ اوہ تشریف رکھئے تشریف رکھیئے!
آدمی:۔ تم خودکشی کر رہی تھیں!
لڑکی:۔ جی ہاں!
آدمی:۔ تم نے میری اجازت طلب کی؟
لڑکی:۔ جی نہیں!
آدمی:۔ کیوں؟
لڑکی:۔ مجھے افسوس ہے میں جلدی میں تھی لیکن اب آپ
سے اجازت مانگتی ہوں کیا میں خودکشی کر سکتی ہوں۔
آدمی:۔ بڑے شوق سے، مگر ایک شرط پر۔
لڑکی:۔ وہ کیا؟
آدمی:۔ خودکشی کرنے سے پہلے تمہیں ایک بیان لکھ کر دینا ہوگا کہ تم اپنی

اپنی مرضی سے اپنی جان ہلاک کر رہی ہو۔

لڑکی :۔ ہندی یا اردو میں۔

آدمی :۔ اردو میں اور دیکھو اس بیان میں یہ لکھنا بہت ضروری ہے کہ تمہاری محبت پاک تھی۔

لڑکی :۔ کیا محبت ناپاک بھی ہوتی ہے۔

آدمی :۔ ہاں دیکھو اس بیان کا مسودہ ہم تیار کر دیتے ہیں۔ تم اُسے نقل کر دینا۔

لڑکی :۔ مہربانی!

یہ کہہ کر چچا اٹھتا ہے اور کمرے سے باہر چلا جاتا ہے۔ لڑکی زہر کی بوتل اٹھاتی ہے۔ اور چومتی ہے۔

لڑکی :۔ کُندن پانچ منٹ میرا انتظار کرو یہ بیان تیار ہو جائے تو میں نقل کر کے فوراً تمہارے پاس آتی ہوں۔ پھر تم ہو گے اور میں سماج کے بندھن سب ٹوٹ جائیں گے ہیں اور ہم دونوں ایسی زندگی شروع کریں گے جو موت سے بالکل ناآشنا ہو گی ہم امیر ہو جائیں گے.....

دروازے پر تیزی سے دستک ہوتی ہے۔

لڑکی :۔ کون؟

یہ کہہ کر وہ دروازہ کھولتی ہے، ایک عورت گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے۔ اُس کی سانس پھولی ہوئی ہے۔

لڑکی:- کون ہو تم؟

عورت:- ٹھہرو۔ بتاتی ہوں (دم لیتی ہوں) میں ہیر ہوں۔

لڑکی:- ہیر؟ — کون ہیر۔

عورت:- میں تو بہت مشہور ہوں مہر چوچک کی بیٹی ہیر سیال!

لڑکی:- رانجھے والی ہیر!

عورت:- ہاں!

لڑکی:- اوہ کیسے آنکلے تم یہاں۔

عورت:- بہت دنوں کے بعد ہمیں چھٹی ملی تھی رانجھا کہنے لگا آؤ سینما چلیں۔ ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ہمارا ہی تماشا ہے میں تو انٹرول ہی میں بھاگ آئی لیکن رانجھا ابھی تک وہاں بیٹھا ہے۔

لڑکی:- ہائیں وہ کیوں؟

عورت:- کیا بتاؤں بوا میری تو زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ جب دیکھو اپنی بانسری بجا رہا ہے ہزار کہتی ہوں رانجھا میرے رانجھن چھوڑ دو اس بانسری کو بھینسو ڈن بجاؤ مجھے کوئی فلمی گیت۔

گیت سناؤ، مگر وہ تو پرانی لکیر کا ہی فقیر رہنا چاہتا ہے۔ لوگ کیک پیسٹریاں کھاتے ہیں مگر وہ مجھے چنے کی روٹی پکانے ہی کے لیے کہتا ہے۔

عورت: شیریں کا کیا حال ہے۔

عورت: بہت برا۔ فرہاد صاحب ہر وقت تیشہ لئے پتھر پھوڑتے رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں ایک اور دودھ کی نہر کھود دوں گا۔ ادھر بیچاری سسی کا بھی یہی حال ہے۔ پنوں صاحب ہر روز اسے کچے گھڑے کے ساتھ دریا میں تیراتے ہیں۔ بوا ہم سب تنگ ہیں۔ قسمت میں موت نہیں، ورنہ ضرور کچھ کھا کر مر جائیں۔ (بانسری کی آواز سنائی دی۔ پھر ڈر جاتی ہے)
لو آ پہنچے رانجھا میاں۔ دنیا کہاں پہنچ گئی پر ان کے ہونٹوں سے بانسری نہیں چھٹی۔ اچھا جاتی ہوں بوا۔ تم خوش رہو۔ (چلی جاتی ہے)

لڑکی: ہیر کے جانے کے بعد زہر کی شیشی اٹھاتی ہے۔ نہیں نہیں میں نہیں مروں گی۔ میرا بھی اگر یہی حال ہوا تو۔ نہیں نہیں۔ اسے رس گلے کھانے کی عادت تھی، اب میں ہزاروں برس کیسے اسکو رس گلے بنا بنا کر کھلاتی رہوں گی۔ نہیں نہیں۔ (زہر کی شیشی پھینک دیتی ہے)

اتنے میں چچا کھانستا ہوا اندر داخل ہوتا ہے۔

چچا: ریحان تیار ہے۔

لڑکی :- لیکن میں نیا نہیں -

چچا :- کیا مطلب -

لڑکی :- میں نے خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا ہے - پر یت نہ کرنا پر یت رکھنا شروع کرتی

ہے - ہونک ——— پردہ گرتا ہے -

× ×

تماشائی :- ——— سب سمجھ رہیں کہ اس ڈرامے کا آخر مطلب کیا ہے - مرد عورتوں

کی طرف دیکھتے ہیں اور عورتیں مردوں کی طرف -

× × × × × × × × × × × × × ×

گرین روم -

لڑکی جس نے ڈرامے میں حصہ لیا تھا - گرین روم میں داخل ہوتی ہے اس کے

پہلے چچا کا پارٹ ادا کرنے والی کمرے میں موجود تھی - دونوں ایک دم آپ آتا قی ہیں - اور

آپس میں بات چیت کرتی ہیں -

لڑکی جس کا نام ہیمبا ہے - اپنی سہیلی سمتی سے کہتی ہے - سمتی یہ کیا بکواس تھی،

جو ہم نے آج ایکٹ کی ہے - - -

سمتی :- ——— میں تو صرف اتنا ہی سمجھ سکی ہوں کہ کچھ نہ کرو -

کانے بالو :- تم سے ہم بہت مذاق کر چکے ——— اچھا چھوڑو مذاق چھوڑو ———

پہ لوگ پوچھنے آئے ہو تم لوگ۔

پریم :۔۔۔ اس ڈرامے کا مطلب کیا ہے۔

کالے بابو :۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ عنقریب محبت پر کنٹرول ہونے والا ہے اور یہ ڈرامہ ہم نے ( ) کے لئے لکھا ہے۔

پریم :۔۔۔ محبت پر کنٹرول ہونے والا ہے۔

کالے بابو : جی ہاں ۔۔۔ جس طرح دودھ پر کنٹرول ہے، آٹے پر کنٹرول ہے، کپڑے پر کنٹرول ہے، اسی طرح محبت پر بھی کنٹرول ہونے والا ہے ۔۔۔ شاید شام کے اخباروں میں اس کا اعلان آ جائے، (یہ کہہ کر وہ رہیما اور پریم کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے) اب آپ آئندہ بے دردی سے محبت جیسی قیمتی چیز استعمال نہیں کر سکیں گے۔

پریم اور رہیما دونوں افسردہ ہو جاتے ہیں اور باہر نکلتے ہیں۔

× × × × × × × × × × ×

[illegible]

باغ۔

شام کا وقت ہے۔ پریم اور رہیما دونوں بینچ پر بیٹھے ہیں۔ ان کے آس پاس اور بہت سے جوڑے بیٹھے ہیں اور اخبار پڑھ رہے ہیں اخبار بیچنے والے چوکڑے چلا رہے ہیں۔ "محبت پر کنٹرول ہو گیا ۔۔۔ محبت پر کنٹرول ہو گیا"

ہیما۔ پریم کی طرف دیکھتی ہے۔ پریم، ہیما کی طرف افسردہ نظروں سے دیکھتا ہے، اور سرد آہ بھر کے کہتا ہے۔ "اب کیا ہوگا"!

اخبار بیچنے والے چلا رہے ہیں، "محبت پر کنٹرول ہوگیا ـــــ محبت پر کنٹرول ہوگیا۔"

× × × × × × × × × × × × ×

پوسٹروں کا مونٹاژ ـ

جگہ جگہ پوسٹر لگے ہیں ـــ دل کی تصویر بنی ہے، اس پر تیر چبھا ہے اور خون نکل رہا ہے نیچے لکھا ہے۔ اپنے دل کا خون نہ کیجئے ـــ محبت کم کیجئے ـــــ شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں ہیر رانجھا، سسی پنوں ـــــ ان سب کی تصویریں بنی ہیں ـــــ نیچے لکھا ہے۔ عاشقوں کی قسمت میں ہمیشہ موت ہوتی ہے ـــ محبت کم کیجئے! ـــ آخری پوسٹر پر راشن کارڈ کی تصویر بنی ہے، اس کے نیچے لکھا ہے ـــــ اور اگر آپ کو محبت کرنی ہے۔ تو راشن کارڈ لیجئے!

ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہے۔ جس پر اوپر کے الفاظ ہر زبان میں لکھے ہیں ـــــ اس کے نیچے متوسط الحال اور اونچے طبقے کے مردوں اور عورتوں کا ایک بہت لمبا "کیو" لگا ہے۔ ایک طرف عورتیں کھڑی ہیں۔ ایک طرف مرد ـــــ مردوں کے "کیو" سب سے آخر پریم کھڑا ہے۔ اور عورتوں کی منتہا پر ہیما ـــ ـــ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ

رہے ہیں۔ اتنے میں کالے بابو آتے ہیں اور ان دونوں کو دھوپ میں کھڑے دیکھ کر مسکراتے ہیں۔ ریما کو وہ اپنی چھتری پیش کرتے ہیں مگر وہ نفرت سے ایک طرف پھینک دیتی ہے کالے بابو چھتری نہیں اٹھاتے اور ہنستے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

پریم کی باری آہستہ آہستہ آرہی ہے۔

× × × × × × × × × × × × ×

محبت کا راشننگ آفس (اندر)

پریم اندر داخل ہوجاتا ہے۔ ایک خستہ حال بوڑھی عورت میز پہ بیٹھی ہے، باقی کام کرنے والے جوان لڑکے ہیں۔ پریم کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔

بڑھیا:۔ تمہارا نام۔

پریم:۔ پریم چند!

بڑھیا:۔ وہی پریم چند جو پریم کہانیاں لکھا کرتا تھا۔

پریم:۔ جی نہیں، میں دوسرا پریم چند ہوں۔

بڑھیا:۔ باپ کا نام۔

پریم:۔ کیم چند۔

بڑھیا:۔ مسٹر کیم چند نے اپنی زندگی میں کبھی محبت کی تھی۔

پریم:۔ مجھے معلوم نہیں ـــــ کی بھی ہوگی۔ تو انہوں نے مجھے بتایا نہیں۔

بڑھیا :- تمہاری ماں سے اس کی ہوئی تھی

پریم :- جی نہیں۔

بڑھیا :- تمہیں کیسے معلوم ہے۔

پریم :- اس لئے کہ ان کے پتا سلیم چند جی نے ان کی شادی ان کی مرضی کے خلاف کر دی تھی۔

بڑھیا :- تم کیسے پیدا ہوئے؟

پریم :- میری ماں میرے پتا جی کی بیوی تھی اور مرتے دم تک بیوی رہی۔

بڑھیا :- ہوں ـــــ محبت کے متعلق مسٹر کیم چند ولد سلیم چند کے خیالات کیا تھے۔

پریم :- وہ اسے برا سمجھتے تھے۔

بڑھیا :- ہوں ـــــ راشن کارڈ اٹھا کر اسے کیرتے ہوئے مہینے میں ایک پونڈ

پریم :- صرف ایک پونڈ۔

بڑھیا :- ہاں صرف ایک پونڈ ـــــ تمہارے لئے یہ بھی زیادہ ہے ـــ جاؤ۔

راشن کارڈ لے کر افسردگی کے عالم میں پریم باہر نکلتا ہے۔ مینا کو دیکھتا ہے تو اس کے پاس جاتا ہے۔

پریم :- تمہیں کتنی ملی؟

مینا :- آدھا پونڈ۔

پریم :- مجھے ایک پونڈ —

دونوں معدوم ہو جاتے ہیں۔

× × × × × × × × × × × × ×

تھیٹر :- ریہرسل روم (باہر)

پریم اور ہیما ریہرسل روم کی طرف بڑھتے ہیں تو دس پندرہ قلی اور دوسرے مزدور
ہنستے ہوئے اُن کے پاس سے گزرتے ہیں۔

پریم :- یہ لوگ بڑے خوش ہیں —

ہیما :- جانے کیوں! — میرا خیال ہے ان کو زیادہ پونڈ ملے ہوں گے۔ یہ کہہ کر
دونوں ریہرسل روم کے اندر داخل ہوتے ہیں۔

× × × × × × × × × × × × × × ×

ریہرسل روم کے اندر۔

پریم اور ہیما دونوں پاس پاس صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں۔

پریم :- کچھ سمجھ میں نہیں آتا اب کیا ہوگا —— مہینے میں صرف ایک پونڈ

ہیما :- دیکھو تو- ایک پونڈ میں کیا کیا مل سکے گا؟

پریم :- اپنا راشن کارڈ دیکھو نا ہے ایک مدد گیت —— آدھا گھنٹہ چاندنی رات
کی سیر —— کشتی کی سیر کرنا تو صرف پندرہ منٹ —— اور سینما —— میں تمہیں مہینے میں

صرف ایک دفعہ کہہ سکوں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں ،

ہیما :- صرف ایک دفعہ - اور پہلے تم دن میں ہزار مرتبہ کہا کرتے تھے ہو -

پریم :- وہ دن یاد نہ کرو ہیما ---- جنگ کے بعد ہی اب وہ گھڑیاں واپس آئیں گی

ہیما :- نہیں میں نہیں یاد کروں گی ---- لیکن اب ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ یہ ڈیڑھ پونڈ جو ہمیں ملا ہے اسے کس طرح استعمال کرنا چاہئے ---- پریم ---- آدمی ایک روٹی ہی پر گزارہ کر سکتا ہے - تو کیا ہم ڈیڑھ پونڈ میں گزارہ نہیں کر سکیں گے - تم کچھ فکر نہ کرو ---- پریم ہیما کی باتوں سے بہت متاثر ہوتا ہے - طے ہوتا ہے کہ مہینے میں اسی دن جو سب سے سہانا ہو، وہ اپنی محبت کا راشن لیا کریں - اتنے میں سینی ناچتی تھرکتی آتی ہے - دونوں کو کسی قدر مغموم دیکھتی ہے تو ان سے مذاق کرتی ہے وہ محبت کو بالکل بیکار سمجھتی ہے - کیونکہ کالے بالوں کی محبت سے اسے تلخ تجربہ ہو چکا ہے - یہ آدمی شروع شروع میں اس سے اس طرح محبت کرتا تھا جیسے اس کی پوجا کرتا ہے - مگر چند سال گزر جانے پر وہ بالکل بدل گیا تھا - سینی اس کے یہاں صرف اس لئے پڑی تھی کہ اب اس کا دل بالکل بجھ گیا تھا ---- تھوڑی دیر تینوں آپس میں باتیں کرتے ہیں - اس کے بعد گھنٹی بجتی ہے ---- سینی اٹھتی ہے اور کہتی ہے "چلئے ہیرا نجھے کا کھیل کھیلیں "

تینوں باہر نکلتے ہیں -

× × × × × × × × × × × × ×

دہرسل روم کے باہر۔

تینوں کی مڈبھیڑ تھیٹر کے مالک کالے بابو سے ہوتی ہے وہ ہیما کی طرف مسکرا کر

دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے "راشن کارڈ مل گیا آپ کو"

ہیما :۔ جی ہاں ۔

کالے بابو :۔ کتنے پونٹ !

ہیما :۔ آدھا۔

کالے بابو :۔ پھر تو آپ بہت دولت مند ہیں ۔ ـــــ (پریم سے) آپ کے حصے

میں کتنی آئی۔

پریم :ـــ ایک پونٹ ۔

کالے بابو :۔ چلئے ڈیڑھ ہو گیا ـــ مہینہ کیجئے گا (سنیتی) تمہیں کتنی ملی؟

سنیتی :۔ مجھے محنت کرنے کی ضرورت نہیں ـــــ جب تک اس دنیا میں تم جیسے آدمی موجود

ہیں، ان جیسی عورتوں کو نفرت کرنے کی اجازت ملنی چاہئے ۔

کالے بابو :۔ کھیل کا وقت ہو گیا ہے ـــــ اب تم جاؤ ۔

سب چلے جاتے ہیں ۔ کالے بابو اپنے آفس کی طرف بڑھتا ہے راستے میں اسے ایک

قلی ملتا ہے وہ اسے اشارے کے ساتھ اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہتا ہے ۔

x x x x x x x x x x x x x x x

کالے بابو کا آفس۔

آفس میں کالے بابو قلی سے پوچھتا ہے "کیوں پانڈو رنگ ۔۔۔ تم نے کبھی محبت کی ہے"

پانڈو رنگ:۔ (گھبرا کر) رام، رام، رام ۔۔۔ محبت ۔۔۔ ہم غریب کرانے والا قلی ہوں سرکار۔

کالے بابو:۔ (ہنستا ہے) کبھی کبھی عشق کرنا کیا برا ہے۔

پانڈو رنگ:۔ نہ صاحب اس کے ورک نہیں چاہیئے ہم غریبوں کو۔

کالے بابو: لیکن تمہیں راشن کارڈ تو مل سکتا ہے۔۔

پانڈو رنگ:۔ ہم بس قلی ہیں یہاں ۔۔۔ کسی نے بھی تو نہیں لیا راشن کارڈ۔

کالے بابو:۔ لیکن اگر تم لے کر مجھے دے دو ۔۔۔ تو میں تم سے خرید لوں گا ایک کارڈ کا سو روپیہ دوں گا۔

پانڈو رنگ: ! سو روپیہ۔

کالے بابو:۔ ارے کیا ہوا ۔۔۔ اپنے آدمی ہو ۔۔۔ تو دیکھو سب قلیوں سے کہو کہ وہ اپنا اپنا راشن کارڈ لیں۔ پھر تم مجھے دے دینا ۔۔۔ سمجھے۔

پانڈو رنگ خوشی خوشی باہر نکلتا ہے۔

× × × × × × × × × × × × × × ×

آفس کے باہر۔

پانڈورنگ خوش خوش جارہا ہے ــــــ گرین روم سے سنیتی میک اپ کرکے باہر نکلتی ہے۔ اور اس سے پوچھتی ہے۔ کیا بات ہے پانڈورنگ ــــــ آج بہت خوش ہو تم پانڈورنگ اسے بتاتا ہے کہ کاسے بابو نے بلایا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ راشن کارڈ دے دے جسے وہ سو روپے میں خرید لیں گے یہ سن کر سنیتی متفکر ہو جاتی ہے۔

× × × × × × × × × × × × ×

صبح ــــــ پہاڑیوں کے درمیان ایک دلفریب وادی۔

ہیما اور پریم دونوں خاموش جا رہے ہیں منظر اور فضاء بہت پر کیف ہے ــــــ چلتے چلتے دونوں ندی کے کنارے پہنچ جاتے ہیں ــــــ ہیما اپنی ٹانگیں ندی کے پانی میں لٹکا دیتی ہے۔ پریم چند لمحات تک خاموش رہتا ہے۔ آخر اس سے نہیں رہا جاتا۔ اور ہیما کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے۔ ہیما میرا دل محبت کرنے کو چاہتا ہے۔

ہیما :۔ دل تو میرا بھی چاہتا ہے ــــ دیکھو نا کتنا سہانا موسم ہے ــــ جی چاہتا ہے تم ایک محبت بھرا گیت سناؤ اور میں سنوں۔

پریم :۔ راشن کارڈ لگاتا ہے۔ تو میں دوڑ کر جاتا ہوں اور راشن شوپ سے ایک گیت لے کر آتا ہوں ۔

ہیما :۔ جاؤ لیکن جلدی آنا ۔

پریم :۔ تم یہیں میرا انتظار کرو ــــــ میں ابھی آتا ہوں ۔

پریم۔ دوڑتا ہے۔

× × × × × × × × × ×

پریم ایک بس اسٹینڈ کے پاس پہنچا ہے۔ یہاں ایک بہت لمبا "کیو" لگا ہے۔ بس بھری ہوئی آتی ہے اور کبھی مسافر کو لئے بغیر گزر جاتی ہے ـــــ پریم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا ہے ـــــ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف دوڑتا ہے ـــــ وہاں دو ٹیکسیاں کھڑی ہیں۔ دونوں کے ڈرائیور کہتے ہیں۔ پٹرول نہیں ہے۔ کیونکہ پٹرول پر کنٹرول ہے ـــــ جب یہ دو ٹیکسیاں دو امیر آدمیوں کو لے کر چلی جاتی ہیں۔ تو پریم کا دل بہت کڑھتا ہے اور وہ پیدل ہی چلتا ہے آخر ش پریم ایک دکان پر پہنچ ہی جاتا ہے جس کے باہر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہے "پنڈت، اشوک اینڈ پنڈت اکول سونگ میکرز"

× × × × × × × × ×

پنڈت اشوک اینڈ پنڈت اسوک سونگ میکرز کی دوکان ـ

پریم دکان کے اندر داخل ہونے ہی لگتا ہے کہ پٹھان چوکیدار کہتا ہے۔ "سب گانا خلاص ہوگیا!" ـــــ پریم یہاں سے دوسری دکان کا ترخ کرتا ہے۔

× × × × × × × × × × × ×

"پنڈت برت بیاس ـــــ پنڈت ستلج بیاس اینڈ برادرز موسوسونگ اینڈ ڈویٹ مینوفیکچررز کی دوکان پریم اس دوکان میں داخل ہوتا ہے۔ ایک شیشے کی الماری میں

پنڈت برت بیاس اور دوسری الماری میں پنڈت ستلج بیاس بند ہیں باہر سے تالا لگا ہے
پریم منیجر کو اپنا راشن کارڈ دیتا ہے اور ایک گیت مانگتا ہے جواب ملتا ہے کہ صبح سے دونوں
الماری میں بند ہیں مگر ابھی تک ایک گانا بھی تیار نہیں ہوا۔ پریم پوچھتا ہے کہ دوکان سے اسے
ایک صرف ایک گانا مل سکتا ہے منیجر اسے کل دیپ جی، ہردیپ جی گیت بنانے والے کا
پتہ دیتا ہے کہ شاید وہاں سے مل جائے پریم اس دکان کا رخ کرتا ہے۔

× × × × × × × × × × × ×

کلدیپ جی، ہردیپ جی کویتا گیت بنانے والے کی دوکان

پریم اندر داخل ہوتا ہے۔ منیجر سے ملتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت کلدیپ
جی ابھی ابھی اندر گئے ہیں اور موڈ لانے کی کوشش کر رہے ہیں منیجر پریم کو غسل خانے
میں لے جاتا ہے۔

× × × × × × × × × × × ×

پنڈت کل دیپ جی پانی کے ٹب میں بیٹھے ہیں۔ اوپر سے فوارہ گر رہا ہے
آنکھیں بند ہیں۔ ہاتھ میں سلیٹ پنسل ہے جو کچھ بھی سلیٹ پر لکھتے ہیں پانی بہا لے جاتا ہے،
منیجر پریم کے اصرار پر پنڈت جی سے پوچھتے ہیں "پنڈت جی، موڈ آیا"، پنڈت جی ایک
دم بگڑ کر کہتے ہیں "نہیں"!

دونوں ڈر کر باہر نکل آتے ہیں۔

× × × × × × × × × × ×

غسل خانے کے باہر

منیجر پریم سے کہتا ہے۔بہت مشکل ہے صاحب گانا لکھنا خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے۔پھر کہیں جاکر گانے کا ایک صرف ٹکڑا تیار ہوتا ہے۔پریم کو گانے کی سخت ضرورت ہے اس لئے منیجر اس پر اور بھی رعب ڈالتا ہے اس کے بعد وہ اس سے کہتا ہے "چلیے میں آپ کو ہردیپ جی کے پاس لے چلوں۔شاید انہوں نے اب تک کوئی گیت تیار کر لیا ہو کیونکہ پندرہ روز سے وہ ایک کمرے میں بند ہیں انہوں نے پانی کا گھونٹ تک نہیں پیا۔

× × × × × × × × × × × × ×

دوسرا کمرہ۔

ورزش کا سامان بکھرا ہوا ہے۔کہیں ڈمبل پڑے ہیں، کہیں گدر اور لائن چھاتی چوڑی کرنے والے سپرنگ ——— پنڈت ہردیپ جی سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کئے ہیں پریم پنڈت جی کو اس حالت میں دیکھ کر دم بخود ہو جاتا ہے۔ایک دم پنڈت جی سیدھے ہوتے ہیں۔پنسل اٹھا کر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔لیکن فوراً اسے کاٹ کر زور سے گدر گھمانے لگتے ہیں پھر ایک دم کوئی خیال دماغ میں آتا ہے کاغذ پر لکھنا چاہتے ہیں۔مگر فوراً ہی کاغذ پھاڑ دیتے ہیں اور ڈنٹر پیلنا شروع کرتے ہیں۔

پریم پوچھتا ہے "پنڈت جی یہ کیا کر رہے ہیں"

منیجر:- موڈ لارہے ہیں۔

پریم:- کب تک آئے گا؟

منیجر:- کچھ معلوم نہیں۔

پریم بہت مایوس ہو جاتا ہے ——— دونوں کمرے سے باہر نکلتے ہیں۔

× × × × × × × × × ×

کمرے سے باہر (دوکان میں)

پریم سے منیجر دبی زبان میں اپنا مدعا کہتا ہے کہ اگر وہ بلیک مارکیٹ ریٹ پر گیت خریدنا چاہے تو مل سکتا ہے لیکن بیچارے پریم کے پاس اتنے دام ہیں کہاں۔ مایوس ہو کر جانے ہی والا ہے کہ کالے بابو آتے ہیں۔ منیجر دوڑ کر اُن کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے "کہئے کالے بابو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں"

کالے بابو:- میرے دس گانے تیار ہو نے۔

منیجر:- تیار ہیں جناب۔

کالے بابو:- ایک گانا مجھے اور چاہئے۔

منیجر:- فرمائیے کیسا ہو۔

کالے بابو:- کچھ ندی کا ذکر ہو ——— پانی والی اور اس قسم کی دوسری چیزیں۔

آپ تو خود سمجھ سکتے ہیں۔ پریم جانے لگتا ہے۔ مگر کالے بابو اسے روک لیتے ہیں۔ منیجر کو شکر

فوراً اندر جاتا ہے اور ایک بڑا سا مرتبان اٹھا کر لاتا ہے۔ سب کے سامنے اس میں ندی
ندیا، پانی، ہنر، لہو، کنارہ اور اس قسم کے الفاظ ڈالتا ہے اور اچھی طرح ہلاتا ہے تھوڑی دیر
کے بعد ہاتھ ڈال کر الفاظ باہر نکالتا ہے تو یہ جڑ کر ایک گیت بن گئے ہوتے ہیں۔

x x x x x x x x x x x

یہ گیت وہ کالے بابو کے حوالے کر دیتا ہے۔ کالے بابو اسے پریم کو دے دیتے
ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ذرا گا کر سناؤ پہلے تو وہ گانا نہیں چاہتا لیکن جب گیت اسے حسب حال
لگتا ہے کیونکہ اس کی محبوبہ ندی کنارے اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے تو وہ خود بخود گانے
لگتا ہے کالے بابو منیجر سے اشارہ کرتا ہے وہ فوراً اسے ری کو۔ ڈ کرنا شروع کر دیتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x x x

DISS OLVE IN TO ندی کنارے۔

ہیما بیٹھی ہے اور پریم کا انتظار کر رہی ہے ——— میوزک شروع ہوتا
ہے تو اسے اچھا لگتا ہے ——— اس کے بعد پریم کی آواز آتی ہے ——— ہیما سمجھتی
ہے کہ پریم گانا سے کر آ گیا۔ وہ بہت خوش ہوتی ہے۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی گیت سن رہی
ہوتی ہے ——— پھر پریم کو آواز دیتی ہے جب کوئی جواب نہیں آتا تو اٹھتی ہے اور
اِدھر اُدھر بچوں کی طرح اسے تلاش کرتی ہے ——— بار بار کہتی ہے مجھے مت ستاؤ

پریم ——— اب آ بھی جاؤ ——— آؤ محبت کریں۔ —— ڈھونڈتی ڈھونڈتی وہ ایک جھاڑی کے پیچھے جاتی ہے ——— کیا دیکھتی ہے کہ کالے بالو کھڑے ہیں اور گانا ختم ہو چکا ہے۔ وہ کچھ دیر دہ حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے جب گانا ختم ہو جاتا ہے اور کالے بالو گراموفون سے ریکارڈ کی سوئی ہٹاتے ہیں اور کہتے ہیں "ہیما، میرے پاس بیس پونڈ ہیں ——— تم چاہو تو بیس کے بیس ہزار ہو سکتے ہیں میں دن رات تم سے محبت کر سکتا ہوں ——— تم ایک ہاں کہہ دو تو میں سارے ہندوستان کے گویوں کی آوازیں تمہارے لئے خرید لوں گا ——— بولو، کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرو گی،

ہیما :- مجھے آپ سے نفرت ہے۔

اتنے میں پریم بھی آجاتا ہے۔ ہیما غصے میں بھری ہوئی جاتی ہے اور گراموفون اٹھا کر ندی میں پھینک دیتی ہے کالے بالو یہ کہہ کر وہاں سے چلا جاتا ہے " تم مجھ سے نفرت کرتی ہو ——— میں دیکھ لوں گا کہ تم پریم سے بھی نفرت کرو گی! —"

× × × × × × × × × ×

COPPF IN TO

کالے بالو کا آفس

کالے بالو آفس میں جاکر منشی کو بلاتے ہیں۔ اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ سوجھ لیٹے

کا ڈرامہ تو یہ ہے کہ آخر تک محبت کی داستان کی بجائے نفرت کی کہانی میں تبدیل کر دیا
جائے منشی جی بہت حیران ہوتا ہے مگر کالے بابو اسے سمجھاتے ہیں کہ جب محبت کا کنٹرول
ہو گیا ہے تو کوئی تھیٹر کوئی فلم کمپنی عشقیہ ڈرامہ یا فلم نہیں بنا سکتی اس لئے اب تمام
عشقیہ افسانے نفرت کے رنگ میں پیش نہیں کئے جائیں گے تو کیا کریں گے منشی جی کا کام حکم بجا لانا
ہے، خاموش ہو جاتے ہیں —— کالے بابو مسکراتے ہیں، اتنے میں سنتی اندر آتی ہے۔ اور
پاس بیٹھ جاتی ہے۔ اپنی پرانی محبت کی یاد دلاتی ہے مگر کالے بابو اس کی طرف زیادہ توجہ
نہیں دیتے —— اس پر سنتی کہتی ہے کہ تم کچھ بھی کر دو —— میں جانتی ہوں کہ آج کل
تم ہما کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر وہ تمہارے قابو میں آنے والی نہیں
تھوڑی دیر کے بعد رنگیلا ہیپ جی، ہردیپ جی گیت بنانے والوں کا منیجر آتا ہے۔ اور
دس گانے دے کر چلا جاتا ہے۔ کالے بابو اسے اپنے میز کے دراز میں رکھ دیتے ہیں، اور
منشی جی سے کہتے ہیں کہ وہ جلدی شیکسپیئر کے ڈرامہ رومیو جولیٹ کو پلٹ دیں کہ اندر اندر نفرت
کے رنگ میں رنگ دے تاکہ ریہرسلیں شروع کی جائیں۔

× × × × × × × × ×

تھیٹر (۱۱ سین) DISSOLVE INTO

بہت سے آرٹسٹ جمع ہیں۔ منشی جی ان کو ان کے پارٹ تقسیم کرتے ہیں۔

آرٹسٹ جب ایک نظر میں اپنا پارٹ دیکھتے ہیں تو سخت خفا ہوتے ہیں رومیو جولیٹ
کا ڈراما ہے ——— ہرگز نہیں، ہم یہ پارٹ کرنے کے لئے تیار نہیں — پریم اور رتنا بھی
انکار کرتے ہیں۔ منشی بیچارہ مجبور ہے کیونکہ مالک کا حکم ہی ایسا ہے۔ اتنے میں کالے بابو
آتے ہیں، جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ آرٹسٹ انکار کرتے ہیں تو وہ سب کو دھمکی دیتے ہیں۔ تم نے
انکار کیا تو پولیس گرفتار کرا دے گی۔ کنٹرول کے بعد کوئی عشقیہ ڈرامہ نہیں کھیلا جا سکتا ——— اب
وہ زمانہ ہے کہ ہیر رانجھا سے نفرت کرے گی۔ فرہاد شیریں کی اداؤں پر تھوکا کرے گا، مجنوں
اس کالی کلوٹی لیلیٰ کے پیچھے صحراؤں میں دیوانہ وار نہیں پھرے گا ——— اور رومیو جولیٹ
سے اور جولیٹ رومیو سے نفرت کا اظہار کرے گی ——— چلو ریہرسل شروع ہو اور ریہرسل شروع
ہوتی ہے۔ وہ سین شروع ہوتا ہے جہاں رومیو جولیٹ کی بالکنی کے نیچے آ کر محبت کا
گیت گاتا ہے اور اسی کے حسن کی تعریف کرتا ہے مگر اس نئے ڈرامہ میں اصل منظر کے
بالکل برعکس رومیو جولیٹ سے اور جولیٹ رومیو سے نفرت کا اظہار کرتی ہے نہایت ہی
تند و تیز الفاظ میں ——— پریم اور رتنا پھر وہی ریہرسل دہراتے ہیں، رومیو اور جولیٹ
بن کر ایک دوسرے سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں ——— کالے بابو مسکراتا رہتا ہے
وہ اس بات پر خوش ہے کہ تمام زندگی میں پہلی بار اسٹیج پر پریم اور رتنا ایک دوسرے
سے متنفر ہیں وہ حکم دیتا ہے کہ کم از کم ایک دو دفعہ ریہرسل کی جائے۔

x x x x x x x x x x x

تھیٹر (ہال)

تماشائیوں سے ہال کھچا کھچ بھرا ہے۔

× × × × × ×

کاسمونی

اسٹیج کے اندر ـــــ ونگز کے پاس

سین شروع ہونے میں صرف ایک منٹ باقی ہے کالے بابو، پریم، ہیما، سیٹھی اور دوسرے سب کھڑے ہیں کالے بابو جب ایک طرف ہٹتے ہیں تو پریم، ہیما کے کان میں کہتا ہے "ہیما تم کچھ فکر نہ کرو ـــــ مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔

ہیما:- دبی زبان میں) کیا؟

پریم اس کے کان میں کچھ کہتا ہے ہیما مسکراتی ہے اس کے بعد پریم دوڑ کر سازندوں کے پاس جاتا ہے اور ان کے منتظم کے کان میں کچھ کہتا ہے وہ بھی مسکراتا ہے اتنے میں کالے بابو اشارہ کرتا ہے کہ سب اپنی اپنی جگہ چلے جائیں۔

× × × × × × × × × ×

تھیٹر ـــــ ہال

پٹاخہ چھوٹتا ہے ـــــ پردہ اٹھتا ہے ـــــ ہیما، جولیٹ کے لباس میں

شہ نشین پر کھڑی ہے ـــــ نیچے باغ میں رومیو ہاتھ میں بربط لئے آہستہ آہستہ
آتا ہے دونوں میں مکالمہ شروع ہوتا ہے الفاظ وہی ہیں۔ تیز و تند نفرت سے بھرے
ہوئے مگر دونوں اپنے مکالموں کو بہت نرم و نازک اور محبت بھرے انداز میں ادا
کرتے ہیں۔ موسیقی ساتھ دیتی ہے ـــــ سننے والے الفاظ بھول جاتے ہیں، انہیں
یہی لگتا ہے جیسے دونوں محبت کر رہے ہیں جب دوگانا شروع ہوتا ہے تو اس سب کو یہ
دھن اور ادائیگی، الفاظ کی درشتگی کو اپنے ساتھ بہائے جاتی ہے ـــــ لوگ بہت محظوظ
ہوتے ہیں، مگر کالے بابو جل بھن جاتا ہے اور ایک دم پردہ گرا دینے کا حکم دیتا ہے
پردہ گرتا ہے لوگ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں مگر کالے بابو اس شور کی پروا نہیں کرتے
۔ اور پریم، ریا اور میوزک ڈائریکٹر کو اپنے کمرے میں طلب کرتا ہے ۔

× × × × × × × ×

کالے بابو کا آفس

کالے بابو، پریم، ریا اور میوزک ڈائریکٹر سے بیان لینا چاہتے ہیں مگر ان میں سے
کوئی بھی کالے بابو کے سوالوں کا جواب نہیں دیتا آخر میں وہ دھمکی دیتے ہیں، کہ وہ
تینوں کو اپنی کمپنی سے نکال دیں گے اس پر ریا کہتی ہے کہ یہ شرارت اس کی تھی یہ
سنتے ہی کالے بابو اس کے منہ پر تھپڑ مارتے ہیں مگر وہ غریب ہنستی رہتی ہے پریم سے
یہ برداشت نہیں ہوتا چنانچہ وہ اپنے جرم کا اقبال کر لیتے ہیں کالے بابو اس کا بیان سن

کر اسے اپنی کمپنی سے باہر نکال دیتے ہیں ہیما کہتی ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے۔ مگر
کالے بابو نہیں مانتے اس لئے کہ کمپنی کے ساتھ اس کا تین برس کا معاہدہ ہے سینتی بہت منتیں
سماجتیں کرتی ہے مگر کالے بابو کا دل نہیں پسیجتا ــــــ پریم دل برداشتہ ہو کر
وہاں سے چلا جاتا ہے ــــــ ہیما کا دل بھر آتا ہے وہ بے مغموم ہو جاتی
ہے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر کالے بابو اس سے کہتے ہیں خبردار، تم روئیں ــــ محبت
کے آنسو بہانا منع ہے۔ ــــ سینتی، ہیما کو لے کر باہر چلی جاتی ہے۔

× × × × × × × × ×

باغ۔

چاندنی رات ہے ــــ مغموم ہیما کو فوارے کے پاس بٹھا دیتی ہے
اور کہتی ابھی پریم یہیں ہو گا ــــــ اپنا سامان وغیرہ تیار کرتا ہو گا۔ میں اسے
لاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلی جاتی ہے۔

× × × × × × × × ×

پریم کا کمرہ

پریم اپنا مختصر سامان لے کر باہر نکل رہا ہے سینتی اس سے ملتی ہے اور کہتی
ہے چلو تمہیں ہیما بلا رہی ہے ــــ اس پر پریم کہتا ہے، لیکن سینتی ایسی ملاقات کا کیا

فائدہ جب میرے پاس محبت کے الفاظ نہیں ـــــ اگر میرے پاس بین ہوتا ـــ اگر میرے پاس دولت ہوتی تو آج رخصت ہوتے وقت میں ایک ایسا گانا گاتا کہ ساری دنیا کانپ اٹھتی ـــ مگر کیا کروں مجبور ہوں ـــ پہلے میں سمجھا کرتا تھا کہ ان چاند ستاروں پر کسی کا قبضہ نہیں ـــ ندی کے بہتے ہوئے پانی میں سورج کے ڈوبتے ہوئے منظر سے غریب سے غریب بھی اپنا دل خوش کر سکتا ہے۔ مگر اب معلوم ہوا ہے کہ نہیں ـــ صرف وہی ان چیزوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں جو چور ہیں ـــ جو ہوشیار ہیں جو میرا دل نکال کر اپنے پہلو میں ڈال سکتے ہیں۔

سینتی پریم کو ہیما کے پاس لے جاتی ہے پریم خاموش کھڑا رہتا ہے، سینتی چلی جاتی ہے ـــ چند ساعت تک ہیما اور پریم دونوں پتھر کی مورتیاں بنے پاس پاس بیٹھے رہتے ہیں اور کچھ نہیں بولتے، آخر پریم اس سے کہتا ہے "ہیما، میں جانتا ہوں اس وقت تم مجھ سے کیسے الفاظ سننے کے لئے تڑپ رہی ہو ـــ اور یہ تم بھی جانتی ہو کہ میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھنے کا خواہش مند ہوں کیونکہ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں، لیکن ہیما نہ تمہاری آنکھیں رو سکتی ہیں نہ میری زبان پر الوداع آسکتی ہے اس لئے کہ محبت کے آنسوؤں اور محبت کے لفظوں پر کنٹرول ہے ـــ راشن کارڈ میری جیب میں پڑا ہے ـــ دوکانوں میں بڑی خوشی اور غمی کے ہزاروں گیت موجود ہیں مگر وہ ہمارے لیے نہیں ـــ ہم انہیں استعمال نہیں کر سکتے ـــ اس سے کہ

پریم اگر نبت کا ایک گیت لے جائے تو وہ جو دس عورتوں سے جھوٹی محبت کرنا چاہتے ہیں صرف نو سے کر سکیں گے ـــــ میں چاہتا ہوں ہیما ـــــ زندہ رہا اور محبت پر سے یہ پابندی اٹھ گئی تو تم دیکھو گی کہ میرا دل خون کے آنسو روئے گا۔

ہیما :- پریم ـــ میری آنکھیں رونا چاہتی ہیں مجھے کہیں سے دو آنسو لا دو۔

پریم :- ہیما۔ دنیا کی آنکھ میں آنسو نہیں ہیں کہاں سے لاؤں ـ

یہ کہہ کر رخصت لئے بغیر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں سینتی دوڑتی ہوئی آتی ہے اور ہیما سے پوچھتی ہے "کیا گیا پریم "

ہیما :- چلا گیا ـ

سینتی :- (ہیما کو ایک کاغذ دے کر) لو میں تمہارے لئے یہ گیت لائی ہوں گاؤ

ہیما کاغذ پڑھ کر گانا شروع کرتی ہے ـ

پریم جو کہ جا رہا تھا گانا سن کر رک جاتا ہے۔ اور ہیما کے پاس آتا ہے سینتی اس کو بھی ایک کاغذ دیتی ہے اب دونوں میں ڈوئٹ شروع ہوتا ہے یہ ختم ہونے کے بعد دونوں سینتی کا شکریہ ادا کرتے ہیں اس کے بعد تینوں مل کر یہ مشورہ کرتے ہیں کہ ہیما تھیٹر چھوڑ کر چلی جائے دو یوں کہ آئندہ رات پریم آئے۔ ہیما تیار رہے گی وہ اسے لے کر کہیں دور چلا جائے ہیما مان جاتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم پھر ایک دوسرے سے محبت نہیں کر سکیں گے مگر یہاں رہنے سے تو وہ زندگی لاکھ درجے اچھی ہوگی" ـــــ

جب پورا فیصلہ ہو جاتا ہے تو پریم چلا جاتا ہے — یہ آخری باتیں کالے بابو جو ایک طرف چھپ کر کھڑا تھا سن لیتا ہے اور مسکراتا ہے۔

× × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × ×

ڈاکٹر کا مطب

بورڈ پر نام چھوٹا مگر ڈگریاں غیر مختتم ہوں، اتنی کہ پڑھی نہ جائیں — کالے بابو کار میں آتے ہیں اور اندر داخل ہوتے ہیں۔

× × × × × × × × × × ×

مطب کے اندر۔

کالے بابو کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر ان سے پوچھتا ہے کیسے کیسے تشریف لائے کالے بابو — کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ ہے۔

کالے بابو:— جی ہاں۔

ڈاکٹر:— مگر قصہ یہ ہے کہ جنگ کے باعث بہت سی دوائیں کمزور ہو گئی ہیں، اب میں آپ کی ہونے والی بیوی کو صرف ایک روز تک — ہوش رکھ سکوں گا میرا مطلب یہ ہے کہ صرف بارہ گھنٹے تک آپ جو چاہیں گے وہ کرے گی۔ آپ کا حکم مشینوں کی طرح مانتی رہے گی

اس سے زیادہ وقفے کے لئے نہیں۔

کالے بابو۔ ایک روز کافی ہے۔

ڈاکٹر:۔ سوچ لیجئے۔ ایک روز میں آپ کا کام ہو جائیگا۔ نا۔

کالے بابو:۔ جی ہاں۔

ڈاکٹر:۔ تو چلیئے۔

ڈاکٹر بیگ اٹھا کر کالے بابو کے ساتھ چلتا ہے۔

× × × × × × × × ×

چھٹا منظر ——— ریہرسل روم

کالے بابو ڈاکٹر سمیت اندر داخل ہوتے ہیں اور جو لوگ وہاں جمع تھے ان سے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ٹیکہ لگانے کے لئے آئے ہیں۔ کیونکہ شہر میں ہیضہ پھیل رہا ہے۔ پہلی سینتی کو لگایا جاتا ہے۔ جب ہیما کی باری آتی ہے تو ڈاکٹر بڑی چالاکی سے شیشی بدل کر دوسری شیشی سے دوا ابھرتا ہے اور ہیما کے انجکشن لگا دیتا ہے ———

کالے بابو گھڑی میں وقت دیکھتا ہے ——— شام کے چار بجے ہیں ——— انجکشن لے کر جب باہر نکلتی ہے تو سینتی اس سے کہتی ہے "میں بازار سے تمہارے لئے کچھ چیزیں لینے جا رہی ہوں ——— وہیں سے پریم کو بھی ساتھ لیتے آؤں گی ——— تم رات کے دس بجے

بالکل تیار رہنا ــــ پریم تمہیں آواز دے کر بلائے گا تم کھڑکی کے پاس رہنا۔

× × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × ×

باغ۔

رات کے دس بجتے ہیں۔ سبنتی اور پریم آہستہ آہستہ کھڑکی کے نیچے آتے ہیں سبنتی پریم سے کہتی ہے "تم اسے آواز دے کر بلاؤ ــــــ میں گاڑی کے پاس کھڑی رہتی ہوں ــ یہ کہہ کر وہ چلی جاتی ہے ــــ پریم آہستہ سے ہیما کا نام پکارتا ہے جب کوئی نہیں بولتا تو وہ ذرا زور سے آواز دیتا ہے ــــ کھڑکی کا پردہ ہلتا ہے ــــ ہیما نمودار ہوتی ہے اور پوچھتی ہے (کون)

پریم :ــ میں ــ پریم ــ آؤ،

ہیما :ــ نہیں میں نہیں آؤں گی۔

پریم (حیرت زدہ ہوکر) ہیما میں ہوں ــ پریم۔

× × × × × × × × × × × ×

اوپر کمرے میں

ہیما کھڑکی میں کھڑی ہے اس کے پاس ہی کالے بابو بیٹھے ہیں ــ ہیما بڑبڑاتی ہے "پریم

پریم — میں جاتی ہوں۔

کالے بابو:- نہیں نہیں — وہ تمہیں مار ڈالے گا۔

ہیما:— (پریم سے ڈر کر) تمہیں مار ڈالوں گا۔ کیسی باتیں کر رہی ہو تم ہیما۔

ہیما:- (کالے بابو کی طرف دیکھتی ہے)

کالے بابو:- اس سے کہو، جب تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو میں تمہارے ساتھ آکر اپنی زندگی کیوں خراب کروں۔ میں کالے بابو سے کل شادی کر رہی ہوں۔

ہیما:— (پریم سے) جب تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو تمہارے ساتھ آکر اپنی زندگی کیوں خراب کروں، ریہیں - - - - -

پریم:— لیکن تمہیں کیا ہو گیا ہے ہیما۔

کالے بابو:- مجھے کچھ نہیں ہوا —— میں نے سوچا ہے اور اسی نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ تمہارے ساتھ نکل بھاگنا بے وقوفی ہے — کالے بابو کیسے بھی ہیں، لیکن وہ میری خواہش کی ہر چیز لا کر دے سکتے ہیں —— جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ، مجھے معاف کر دو۔

ہیما- کالے بابو کے الفاظ من وعن دہراتی ہے۔ پریم کو بہت صدمہ پہونچا ہے وہ کچھ اور کہنا چاہتی ہے کہ ہیما۔ کالے بابو کے کہنے پر کھڑکی بند کر دیتی ہے — کالے بابو اسے شاباش دے کر کہتا ہے کہ سو جاؤ۔ جب وہ لیٹ جاتی ہے تو کالے بابو باہر نکل جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x

کمرے کے باہر

باہر نکل کر کالے بابو پانڈورنگ ملتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے۔ "بسنتی دیوی کا کچھ پتہ چلا"

پانڈورنگ:۔ جی ہاں۔

کالے بابو:۔ کہاں ہیں۔

پانڈورنگ: باغ کے باہر ٹیکسی کے پاس کھڑی ہیں۔

کالے بابو:۔ جلدی بھاگو۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ پریم سے کوئی بات کر سکے اسے ٹیکسی میں بٹھا کر لے جاؤ اور کہیں قید کر دو۔

سمجھے۔ جلدی کرو اب۔

پانڈورنگ دوڑتا ہے۔

× × × × × × × × × ×

باغ کے باہر

ٹیکسی کھڑی ہے اس کے پاس بسنتی پریم اور ہیا کا انتظار کر رہی ہے۔ چند لمحات کے بعد پریم آتا ہے مگر اس کے ساتھ ہیا نہیں۔ بسنتی گھبرا کر پوچھتی ہے "کیوں [illegible] ہیا کیوں نہیں آئی۔"

پریم:۔ وہ نہیں آئے گی۔۔

سنیتی :- کیوں ؟

پریم :- وہ آنا نہیں چاہتی -

سنیتی :- ایسا کبھی نہیں ہو سکتا -

پریم :- کبھی کبھی ہو بھی جایا کرتا ہے -

سنیتی :- آخر کیا ہوا -

پریم :- اس نے صاف، صاف مجھ سے کہہ دیا ہے کہ سوچنے پر میں یہاں تک پہنچی ہوں کہ تمہارے ساتھ بھاگ نکلنا بے وقوفی ہے کالے بالو کیسے بھی ہوں لیکن وہ مجھے میری خواہش کی ہر چیز تو لاکر دے سکتے ہیں -

سنیتی :- میں سمجھ گئی ہوں اس کا مطلب -

پریم :- نہیں سنیتی ——— اس نے مجھ سے یہ بھی کہا، جب تم مجھ سے محبت نہیں کر سکتے تو میں تمہارے ساتھ آکر اپنی زندگی کیوں خراب کروں ——— وہ کل اس سے شادی کر رہی ہے -

سنیتی :- جھوٹ - بالکل جھوٹ ——— میں سب سمجھ گئی ہوں - میرے ساتھ بھی اس نے فریب کیا تھا ——— میرے ساتھ بھی اس نے اسی طرح شادی کی تھی ——— دیکھو تم فوراً پولیس میں رپورٹ لکھواؤ کہ کالے بالو زبردستی ہماسے شادی کر رہا ہے ابھی جاؤ ابھی ——— لیکن دیکھو کل ——— کتنے بجے ؟ ——— ہاں کل

شام کو چار بجے کے بعد تک مقدمے کو روکے رکھنا ـــــ کوشش کرنا کہ مقدمہ چلتا رہے حتیٰ کہ پانچ بج جائیں ـــــ تم ضرور جیت جاؤ گے ـــــ

پریم :۔ کیسے۔

سیتا، پریم کے کان میں کالے بابو کا راز بتانے کے لئے بڑھنا ہی چاہتی ہے کہ ایک دم ٹیکسی میں سے ایک مضبوط ہاتھ نکلتا ہے، جو اسے کھینچ کر اندر لے جاتا ہے پریم دیکھتا رہ جاتا ہے، ٹیکسی یہ جا وہ جا !۔

پریم تھوڑی دیر سوچتا ہے کیا کرے : آخر وہ یہی فیصلہ کرتا ہے کہ پولیس اسٹیشن جائے۔

× × × × × × × × × × ×

پولیس اسٹیشن۔

پریم :۔ رپورٹ لکھوانا چاہتا ہے کہ کالے بابو جو فلاں فلاں تھیٹر کے مالک ہیں ہیما نام کی ایک ایکٹریس سے زبردستی شادی کرنا چاہتے ہیں یہ سن کر پولیس انسپکٹر اور سب انسپکٹر سب ہنستے ہیں۔

سب انسپکٹر :۔ ایکٹریس اور اس سے زبردستی شادی ـــــ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ـــــ ایکٹریس تو دن میں چھ مرتبہ شادی کرتی ہیں اور چھ مرتبہ ہی طلاق لیتی ہیں۔

پریم ان کو بہت سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ سب ایکٹریس ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ ہیما بہت ہی شریف لڑکی ہے۔ مگر اس غریب کی کوئی نہیں سنتا پولس کا ایک آدمی اس دوران میں اس سے پوچھتا ہے "کیا تم تو اس سے محبت نہیں کرتے؟"

پریم :۔ (ڈر کر) جی نہیں۔

انسپکٹر :۔ اپنا راشن کارڈ نکال کر دکھاؤ۔

پریم :۔ (راشن کارڈ نکال کر دیتا ہے)

انسپکٹر :۔ نہیں اس نے ابھی تک اپنا پوائنٹ استعمال نہیں کیا۔

بہت دیر تک پریم ان کی منت سماجت کرتا ہے اور انہیں یقین دلاتا ہے کہ ضرور کالے بابو اس لڑکی پر ناجائز دباؤ ڈال کر شادی پر آمادہ کیا ہے ورنہ وہ تو اس سے سخت نفرت کرتی ہے ـــــ آپ ایک دفعہ اسے پکڑ کر عدالت میں تو پیش کیجئے۔ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ پھر وہ سبتی کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح کالے بابو کے آدمی اسے پکڑ کر لے گئے اب ذرا پولس والے متوجہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ ساری رات پولس چوکی ہی پر رہے صبح جب شادی ہونے والی ہو گی تو وہ ان کے ساتھ چلیں گے ـــــ اس سے کہا جاتا ہے کہ ساتھ والے کمرے میں جا کر سو جائے ـــــ ایک سپاہی اس کے ساتھ چلتا ہے۔

× × × × × × × × × × ×

حوالات کے ساتھ والا کمرہ

سپاہی پریم کو اس کمرے میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور باہر سے دروازہ بند کر دیتا ہے اب بیچارہ اس کمرے میں قید ہے ۔ تھوڑی دیر کے بعد سلاخوں کے پیچھے ایک مجرم نمودار ہوتا ہے ! وہ پریم سے اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ فرسٹ کلاس میں اسے کیسے جگہ مل گئی ـــــ پریم اس سے دریافت کرتا ہے وہ تم یہاں کیسے آ گئے ؟ ۔

مجرم :۔ عشق کی مجبوریاں لاچاریاں ـــــ راشن کارڈ میں آدھا پونڈ تھا میں نے ڈیڑھ پونڈ عشق لکھا دیا ـــــ بس دھر لیا گیا ۔

پریم :۔ اب کیا کرو گے ۔

مجرم :۔ عشق اور کیا ـــــ عورت نہیں ملے گی تو نہ ملے ـــــ منہ زبانی عشق کرنے سے تو کوئی نہیں روکے گا ۔ اب دیکھو یہاں کون سا کنٹرول ہے ـــــ میں تم ہی سے عشق کروں گا ۔

پریم :۔ مجھ سے ؟

مجرم :۔ ڈرو نہیں ـــــ میں یہاں دور سے یہ سمجھوں گا کہ تم عورت ہو ـــــ یہاں ہمارے ملک میں عورتوں کی مردوں کے درمیان ہمیشہ لوہے کی دیوار کھڑی ہے سمجھنا بھی بیوقوفی ہو گی ـــــ تم ڈرو نہیں ـــــ میں تمہیں ایک گانا سناتا

چندر، یہ ہیں۔ نے کالی مارکیٹ سے لیا ہے۔ سفید مارکیٹ سے ۔۔۔ یہاں سے نکالا ہے
دل پر ہاتھ رکھتا ہے، اس لال مارکیٹ سے ۔۔

۔۔۔ تو سنو ۔۔۔

یہ کہہ کر گیت گانا شروع کر دیتا ہے۔ جو بالکل پریم کے حسب حال ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - -

گانا ختم ہوتا ہے تو مجرم ہنستا ہوا ایک طرف ہٹ جاتا ہے ۔۔۔ پریم خاموش
بنچ پر بیٹھ جاتا ہے اور سوچ میں غرق ہو جاتا ہے۔

× × × × × × × × × × ×

× × × × × × × × × × × ×

تھیٹر (اسٹیج)

بہت سے لوگ جمع ہیں ۔۔۔ کالے بابو سے ہیما کی شادی والی ہے ۔۔
پنڈت ابھی تک نہیں آئے کالے بابو جلدی جلدی پنڈتوں کا میک اپ کرنے کے لئے
کہتے ہیں تاکہ یہ قصہ جلد ختم ہو ۔۔ پھر وہ پانڈورنگ سے پوچھتے ہیں کہ سیٹھی محفوظ طرح
قید ہے نا؟ ۔۔۔ پانڈورنگ جواب دیتا ہے "جی ہاں" دو تین آدمی پہرے
پر بیٹھے ہیں ۔۔۔

× × × × × × × × ×

کٹ کر کے ہم دکھاتے ہیں کہ بستی ایک دور دراز مقام پر ایک اندھیری کوٹھری میں بند ہے باہر کا سے بابو کے تین آدمی پہرے پر بیٹھے ہیں وہ ان لوگوں کی بہت منتیں سماجتیں کرتی ہے کہ اسے چھوڑ دیں مگر ان کے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

× × × × × × × × × × × × ×

تھیٹر (اسٹیج)

دولہا، دولہن بالکل تیار ہیں۔ کمپنی کے آرٹسٹ پنڈتوں کا ایک اپ کرکے آتے ہیں۔

× × × × × × × × × × × × × ×

پولیس اسٹیشن۔

کٹ کر کے ہم دکھاتے ہیں کہ پریم بنچ پر سو رہا ہے ـــــ جرم ساغوں کے عقب میں نمودار ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے اب اللہ بیلی میری جان "۔ پریم ہڑبڑا کر اٹھتا ہے اور دروازے پہ دستک دیتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلتا ہے اور ایک نیا سپاہی اس سے پوچھتا ہے "کون ہو تم؟" ـــــ پریم جواب دینے کے موڈ میں کہاں ہے نہ معلوم کیا کیا بکتا ہے۔ قریب ہے کہ اسے پولس والے حوالات میں بند کر دیں کہ جو انسپکٹر رات کو ڈیوٹی پر تھا ادھر آ نکلتا ہے اور غریب پریم کی خلاصی ہوتی ہے ـــــ

پریم انسپکٹر کو رات کا وعدہ یاد دلاتا ہے۔ بڑی مشکوک کے بعد انسپکٹر جانے پر راضی ہوتا ہے۔ ٹیکسی منگانے کے لئے کہا جاتا ہے۔

× × × × × × × × × ×

تھیٹر (اسٹیج)

پردہ اٹھتا ہے —— ہجوم تالیاں بجاتا ہے —— منشی جی آگے بڑھ کر حاضرین سے کہتے ہیں معزز حضرات —— آج آپ کو ٹکٹ کے بغیر یہاں دعوت دی گئی ہے اس لئے کہ تھیٹر کے مالک جناب کالے بابو کی شادی مشہور عالم ایکٹرس پریمی جمال اور چہرہ ہیما دیوی سے ہو رہی ہے ——

ہجوم شور مچانا شروع کر دیتا ہے کہ نہیں ہیما کی شادی پریم سے ہونی چاہئے کالے بابو اس شور کی پرواہ نہیں کرتے اور پنڈتوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنا کام شروع کریں —— پھر شور برپا ہوتا ہے قریب ہے کہ ہیما اور کالے بابو کے بیاہ کی رسم پوری ہو جائے کہ ایک دم اسٹیج پر پولیس کے سپاہی نمودار ہوتے ہیں اور شادی روک دی جاتی ہے، جب انسپکٹر کے ساتھ پریم اسٹیج پر آتا ہے تو ہجوم تالیاں بجانا شروع کر دیتا ہے لوگ یک آواز ہو جاتے ہیں ہیما دیوی کی شادی پریم سے ہونی چاہئے —— پردہ گرا دیا جاتا ہے کالے بابو اور پنڈت حراست میں لے لئے جاتے ہیں —— انسپکٹر، ہیما سے پوچھتا ہے کہ کالے بابو

لیکن اسمبر و ستی تم سے شادی کر رہے تھے ـــــ ہما کچھ جواب نہیں دیتی اور نکر
نکر پریم کا منہ دیکھتی رہتی ہے ـــــ انسپکٹر آخر پریم سے کہتا ہے "آج شام
کو تین بجے کنٹرولر آف CONTROLLER OF LOVE کی عدالت میں یہ مقدمہ
پیش ہوگا ـــــ

تمہاری حاضری ضروری ہے ـ

× × × × × × × × ×

گھنٹہ گھر ـ

گھڑیال تین بجاتا ہے ـ

× × × × × × × × × ×

کنٹرول آف لو (LOVE) کی عدالت ـ

عدالت کی گھڑی تین بجاتی ہے ـــــ کرسیٔ عدالت کے دونوں طرف کیوپڈ
کے بت موٹی موٹی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کے اوپر ایک بہت بڑا دل
ہے جس پر قانون کی موٹی موٹی کتابیں دھری ہیں ـــــ چپراسی وغیرہ سب جوان
عورتیں ہیں جن کے پاؤں میں گھنگھرو بندھے ہیں ـــــ بگل بجتا ہے اور دروازے
میں سے کنٹرولر آف یعنی ناظم محبت ایک شان کے ساتھ وارد ہوتے ہیں ان کے لباس
پر ہر جگہ لپ اسٹک لگے ہونٹوں سے نشان ثبت ہیں جب یہ کرسی پر بیٹھتے ہیں تو چپراسی

. لڑکیاں توڑے لیتی ہوئیں ان کے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ آپ موٹی آواز میں حکم دیتے ہیں
"کارروائی شروع ہو" یہ کہہ کر وہ تالی بجاتے ہیں۔

سامنا دروازہ کھلتا ہے ایک پورا اورکسٹرا اندر داخل ہوتا ہے اور کرسیوں پر
بیٹھ جاتا ہے۔ دوسری دفعہ تالی بجاتے ہیں تو ایک بغلی دروازے سے ملزم یعنی کالے بالو
اور تیسرے دروازے سے ہیا سرجھکا ئے اندر آتی ہے یہ دونوں آمنے سامنے کٹہروں
میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پریم بھی ایک طرف بیٹھ جاتا ہے کنٹرولر صاحب! انسپکٹر سے
کہتے ہیں کہ وہ مقدمے کی مختصر روئداد بیان کرے ۔۔۔ انسپکٹر آرکسٹرا کی طرف دیکھتا
ہے اور کہتا ہے "دوسرا کالا" یہ کہہ کر وہ گلا صاف کرتا ہے اور اپنی رپورٹ گا کر
سناتا ہے ۔ اس کے بعد پریم کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا بیان دے ۔۔۔ پریم بھی
اپنا بیان گا کر دیتا ہے ۔۔۔ بہت خوش الحان ہے اس لئے کنٹرولر صاحب خوش
ہوتے ہیں اس کے بعد کنٹرولر صاحب ہیا سے کہتے ہیں کہ وہ اپنا بیان دے ۔ مگر وہ
خاموش رہتی ہے ہلیوں پر چھاپ دی جاتی ہے بارمونیم بجاتے ہیں خود کنٹرولر صاحب
گاتے ہیں مگر ہیا خاموش بت بنی رہتی ہے ۔ گھڑی میں ساڑھے تین بج رہے ہیں کالے بالو
پریشان ہیں لیکن پریم خوش ہے ۔

× × × × × × × × × ×

اندھیری کوٹھڑی ۔

سیتی اپنی گھڑی دیکھتی ہے اور سخت بے قرار ہو جاتی ہے۔ جیب میں ہاتھ ڈالتی ہے تو ان گیتوں کے کاغذ نکلتے ہیں جو اس نے کالے بابو کے میز سے چرانے تھے ۔۔۔ ایک کاغذ نکالتی ہے اور گانا شروع کرتی ہے۔

x x x x x x x x x

"یہ گیت نہیں تمہارے دلوں کی دھڑکن ہے کیا تم اسے پہچانتے نہیں؟
او ہو، انمول دولت ہے جو سرمایہ داری نے تمہیں دھوکہ دے کر تم سے
کوڑیوں کے دام خرید لی۔"

پہرہ دار اس کی آواز سے مسحور ہو جاتے ہیں اور دروازہ کھول دیتے ہیں وہ ان سے کہتی ہے "آؤ چلیں، تم اتنے اچھے آدمی ہو ۔۔۔ آؤ،
اپنی زندگی میں ایک اچھا کام کرو"

تینوں پہرہ دار اس پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

x x x x x x x x x

ڈاکٹر کا مطب:

سینتی پہرہ داروں سمیت اندر داخل ہوتی ہے جب سینتی اس سے وہ دوا طلب کرتی ہے جو آدمی کو کچھ عرصے کے لئے بیہوش کر سکتی ہے تو ڈاکٹر بالکل منکر ہو جاتا ہے "اس دوا کا انجکشن تم مجھے کبھی لگا چکے ہو اب جھوٹ کیوں بولتے ہو"

جب ڈاکٹر رعب ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تو تینوں پہرہ دار اس کی خوب گت بناتے ہیں۔ ڈاکٹر مونرا اور وانکال کران کے ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتا ہے ساڑھے تین بج چکے ہیں۔

x x x x x x x x

ڈاکٹر کے مطلب کے باہر۔

سب جلدی جلدی موٹر میں بیٹھتے ہیں موٹر چلتی ہے مگر تھوڑی دور چل کر ہی اس کا انجن خراب ہو جاتا ہے —— سینتی سخت پریشان ہوتی ہے۔

x x x x x x x x x x x

کنٹرولر آف لو د) کی عدالت

چار بجنے میں بیس منٹ رہتے ہیں —— تہا کی زبان کھولنے میں عدالت کی سب کوششیں بیکار گئی ہیں۔ سوئی اٹک جاتی ہے —— تنگ آکر کنٹرولر صاحب کالے بابو سے کہتے ہیں کہ وہ اپنا بیان دے —— کالے بابو ایک گراموفون اٹھا لاتے ہیں۔ ایک میز پر رکھ دیتے ہیں ریکارڈ بجنا شروع ہوتا ہے کالے بابو اپنے ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں اس کے بعد عدالت بیرسٹروں سے کہتی ہے کہ وہ اپنی بحث شروع کریں —— بیرسٹر یکے راگ میں ایک دوسرے غیبت کرتے ہیں اتنا شور مچتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی —— بحث ختم ہوتی ہے تو کنٹرولر

—

صاحب پندرہ منٹ کیلئے دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں ۔

× × × × × × × × × × × ×

سینیٹی موٹر ٹھیک کرلی ہے اب وہ ڈاکٹر اور پہرہ داروں سمیت بجلی کی سی تیزی

کے ساتھ آرہی ہے ۔

× × × × × × × × × × × ×

کنٹرولر آف لو (LOVE) کی عدالت

چار بجنے میں پانچ منٹ باقی ہیں ۔۔۔ کنٹرولر صاحب تشریف لاتے ہیں

آرکسٹرا کی طرف دیکھتے ہیں ساز بجنے لگتے ہیں کنٹرولر صاحب گا کر اپنا فیصلہ سناتے

ہیں جو کالے بابو کے حق میں ہوتا ہے گھڑی چار بجاتی ہے ۔۔۔ ہیما کو ہوش آجاتا ہے

وہ پریم کی طرف دیکھتی ہے اور چلاتی ہے پریم ۔ مگر عدالت برخواست ہو چکی ہے ۔

کالے بابو اسے پکڑ کر ایک طرف لے جاتے ہیں ۔۔۔ پریم سخت غم کے عالم میں

عدالت سے باہر نکل جاتا ہے ۔

× × × × × × × × × × × ×

عدالت کے باہر ۔

کالے بابو ہیما کو زبردستی اپنی موٹر میں بٹھانے ہی والے ہیں کہ سینیٹی ڈاکٹر

اور پہرہ داروں سمیت آن پہنچتی ہے اور شور مچانا شروع کر دیتی ہے بہت لوگ اکٹھے

ہو جاتے ہیں۔ ہیما جسے اب ہوش آچکا ہے وہ بھی کالے بابو کی گرفت سے
آزاد ہونے کی کوشش کرتی ہے اتنے میں ہجوم کو چیرتے ہوئے کنٹرولر صاحب آگے
بڑھتے ہیں اور سنیتی سے پوچھتے ہیں " یہ ہماری عدالت کے سامنے کیا شور مچ رہا ہے
سنیتی ساری داستان کنٹرولر صاحب سے عرض کرتی ہے ڈاکٹر اور پہرہ دار اس کی
ہاں میں ہاں ملاتے ہیں یہ سن کر کنٹرولر صاحب کو سخت طیش آتا ہے اور وہ بازار ہی
میں کرسی منگا کر فیصلہ صادر کرتے ہیں مجرم یعنی کالے بابو کی سزا یہ ہے کہ ڈاکٹر ہر بارہ
گھنٹے کے بعد اسے بے ہوشی کا انجکشن لگاتا رہے اور یہ سزا چودہ برس تک جاری رہی
ہجوم اس فیصلے پر بہت خوش ہوتا ہے ـــــ جب سنیتی اور ہیما اکیلی رہ جاتی ہیں
تو سنیتی ہیما سے پوچھتی ـــــ " پریم کہاں ہے "
ہیما جواب دیتی ہے " مجھے معلوم نہیں ـــــ ! "

× × × × × × ×

سمندر کا کنارہ ۔

مغموم اور شکست خوردہ پریم خودکشی کرنے کی غرض سے سمندر میں چھلانگ
لگانا ہی چاہتا ہے کہ ایک سپاہی دوڑ کر اسے پکڑ لیتا ہے ۔ اور پوچھتا ہے
" یہ تم کیا کر رہے ہو ؟ "
پریم :۔ اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہوں ۔

سپاہی :۔ تمہیں معلوم نہیں کہ موت پر کنٹرول ہو گیا ہے ۔ اب کوئی بغیر اجازت نہیں مر سکتا ۔ اسی اثنا میں ایک مریل آدمی آتا ہے ، سپاہی کو کاغذ کا ایک ٹکڑا دکھاتا ہے اور خاموشی سے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے ۔

سپاہی پریم کو کاغذ کا ٹکڑا دکھاتے ہوئے ، تمہیں اگر مرنا ہے تو ایسی پرمٹ لاؤ ۔

پریم :۔ کہاں سے

سپاہی :۔ controller of Death کے آفس سے ۔

پریم :۔ پرمٹ لینے کے لئے چلتا ہے ۔

× × × × × × × × ×

کنٹرولر آف ڈیتھ کا دفتر (باہر)

باہر ایک بہت لمبا کیو لگا ہے پریم بہت جلدی مرنا چاہتا ہے چنانچہ وہ موت کے کئی امیدواروں سے التجا کرتا ہے کہ وہ اسے اپنی جگہ دے دیں مگر ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں ہوتا ہر ایک یہی کہتا ہے تمہیں بہت جلدی ہے ہم تین روز سے یہاں دھوپ میں جل رہے ہیں ڈیڑھ مہینہ ہوا جب ہم نے مرنے کی درخواست دی تھی تم ابھی آئے ہو اور کہتے ہو کہ مرنے کی اجازت مل جائے اصل میں جو بھی آتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ اس کا دکھ زیادہ ہے اس کے لئے مر جانا بہت ضروری ہے منتیں سماجتیں کر کے جب پریم تھک جاتا ہے تو وہ باہر کھڑے چپڑاسی کو

کو کچھ رشوت دیتا ہے جو اسے فوراً ہی دفتر کے اندر بھیج دیتا ہے۔ ۔

x x x x x x x x x x

کنٹرولر آف ڈیتھ کا دفتر (اندر)

پریم حاضر ہوتا ہے ۔ اپنا حسب النسب بیان کرتا ہے کنٹرولر صاحب غور سے اس کی درخواست سنتے ہیں اور بہت متاثر ہوتے ہیں مگر وہ مجبور ہیں بر خوردار تم جانتے ہو کہ بنگال میں دو لاکھ آدمی مر چکے ہیں اب اگر میں ہر درخواست دینے والے کو مرنے کا پرمٹ دیتا چلا جاؤں تو بتاؤ میں خدا کو کیا جواب دوں گا تم خود غور کرو ـــــ میں مانتا ہوں کہ تمہارے لئے مرنا بہت ضروری ہے لیکن مجھے یہاں قبرستان اور شمشان کو آباد نہیں کرنا ہیں ـــــ جب پریم بہت پُر درد درخواست کرتا ہے تو کنٹرولر صاحب کا دل پسیجتا ہے اور وہ ٹیلی فون اٹھا کر ایک نمبر گھماتے ہیں ۔ ـــــ ہلو ـــــ ہلو ـــــ چھوٹا قبرستان ۔

x x x x x x x x

چھوٹا قبرستان ۔

قبرستان کا منیجر ـــ جی ہاں ـــ فرمائیے ۔

x x x x x x x

کنٹرولر آف ڈیتھ (اندر)

کنٹرولر:۔ میں کنٹرولر آف ڈیتھ بول رہا ہوں ـــــــ ایک آدمی کے لئے , accommodation, مل سکتی ہے ۔

مینیجر:۔ لمبائی چوڑائی کیا ہے ۔

کنٹرولر:۔ (پریم سے) آپ کی لمبائی چوڑائی ۔

پریم:۔ (پاکٹ بک نکال کر) لمبائی چھ فٹ ایک انچ ـــــ چھاتی ساڑھے چونتیس انچ ۔

کنٹرولر:۔ (مینیجر سے) لمبائی چھ فٹ ایک انچ ۔ چھاتی ساڑھے چونتیس انچ

مینیجر:۔ معاف کیجئے گا ۔ ہمارے پاس اس وقت صرف چار فٹ کے آدمی کے لئے جگہ خالی ہے ۔

کنٹرولر:۔ (ٹیلیفون کا ریسیور رکھ کر پریم سے مخاطب ہوتا ہے) مجھے افسوس ہے کہ قبرستان میں صرف ایک چار فٹ کے آدمی کے لئے جگہ خالی ہے ۔

پریم مایوس ہو جاتا ہے ۔ لیکن ایک دم اسے خیال آجاتا ہے ۔ لیکن ـــ لیکن میں ہندو ہوں جناب ! "

کنٹرولر:۔ "اوہ" کہہ کر پھر ٹیلیفون کرتے ہیں لیکن مرگھٹ سے یہ جواب ملتا ہے کہ فی الحال صرف چار ہفتے کے بچے کو جلانے کے لئے ایندھن موجود ہے ۔

پریم اور زیادہ مایوس ہو جاتا ہے لیکن کنٹرولر صاحب جو بہت نرم دل ہیں دل میں

اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ دو تین دن کے اندر اندر خاص سفارش کر کے اس کی موت کا انتظام کر دیں گے۔ پریم ان کا شکریہ ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

× × × × × × × ×

کنٹرولر آف ڈیتھ کا آفس

باہر نکلتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ عورتوں کے کیو میں سینتی اور رمیا کھڑی ہیں دونوں پریم کو دیکھتی ہیں تو بہت خوش ہوتی ہیں ان کا خیال تھا کہ پریم مر چکا ہوگا چنانچہ وہ بھی مرنے کا پرمٹ لینے کے لئے آئی تھیں۔ جب سینتی پریم کو سارا قصہ سناتی ہے تو پریم بہت خوش ہوتا ہے۔ سینتی کہتی ہے آؤ اسی خوشی میں گائیں مگر گانا کہاں ہے۔ سینتی اپنی جیب میں سے کالے بابو کا ایک گیت نکالتی ہے اور سب گانا شروع کرتے ہیں۔

× × × × × × × × ×

ندی کنارے

تینوں یہ گیت الاپتے ہوئے ندی کنارے پہنچتے ہیں گیت ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک سپاہی دوڑا۔

پریم :۔ کیوں؟

سپاہی :۔ کنٹرولر آف ڈیتھ نے آپ کے لئے خاص طور پر ایندھن منگوالیا

ہے۔ پہلے جیسا بالکل نیا رہے۔

مگر پریم اب جانے کے لئے تیار نہیں جب وہ میل و حجت کرتا ہے تو سپاہی اسے گرفتار کر لیتا ہے اور اسے دفتر لے جاتا ہے۔

x x x x x x x x x x x x x x x x x x x x

کنٹرولر آف ڈیتھ کا آفس۔

پریم بہت منتیں سماجتیں کرتا ہے کہ اس کی پرمٹ منسوخ کر دی جائے مگر کنٹرولر صاحب نہیں مانتے کیونکہ انہوں نے بڑی مشکلوں سے ایک ہزار آدمیوں کی درخواستیں مسترد کر کے اس کے لئے خاص طور پر اُنیدھن منگوایا تھا۔ اب وہ کیسے اس کی پرمٹ کینسل کر سکتے ہیں ـــــ ظاہر ہے کہ یہ خلاف قانون بھی ہے چنانچہ وہ حکم دیتے ہیں کہ سپاہی اسے مرگھٹ لے جائیں اور اسے جلا دیا جاتے ہیں اور سینتی کچھ نہیں کر سکتیں اور خاموش رہتی ہیں۔

x x x x x x x x x x x x x x x

مرگھٹ

لکڑیاں چنی جاتی ہیں۔ پریم ہیا اور سینتی کو الوداع کہتا ہے اور لکڑیوں کے بستر پر بیٹھ جاتا ہے۔ سر پر دار پر لکڑیاں رکھی جاتی ہیں آگ دکھانے ہی والے ہوتے ہیں کہ ایک سپاہی بھاگا ہوا آتا ہے اور مرگھٹ کے منیجر سے کہتا ہے کہ راشننگ ختم ہو

گئی ہے" سارے کنٹرول بھی ختم ہو گئے ہیں ۔

سینی اور ہیما کی جان میں جان آتی ہے ۔ دونوں ہتھکڑیاں ہٹاتی ہیں، اور پریم کو باہر نکالتی ہیں ـــــــ تینوں خوش ہیں ـــــ محبت پر سے کنٹرول اٹھ گیا ہے سب مل کر خوشی کا گیت اپنا شروع کرتے ہیں ۔

× × × × × × × × ×

اس گیت جو عقب میں رکھے ہوئے ہم دکھاتے ہیں کہ بازاروں میں جہاں پہلے محبت کم کرنے کے پوسٹر لگے تھے اب ان کی جگہ نئے پوسٹر چسپاں کئے جا رہے ہیں "محبت کیجئے کر محبت کرنے سے خدا ملتا ہے ۔

" محبت اندھی ہے لیکن جو محبت کرتے ہیں وہ خدا کو بھی دیکھ لیتے ہیں ۔"

" جو محبت کی خاطر مرا ہے وہ کسی اور تکلیف میں نہیں ـــ محبت کیجئے تاکہ آپ کو زندگی کا لطف آسکے ۔"

× × × × × × ×

طاہرہ سے طاہر اور
سعید سے سعیدہ

طاہرہ جب کنڈرگارٹن میں داخل ہوئی تو وہ اپنی جماعت کے لڑکوں سے بہت دلچسپی لینے لگی۔ اُس کو اپنی ہم عمر لڑکیاں فضول سی لگتی تھیں ــ وہ چاہتی تھی کہ لڑکوں جیسا لباس پہنے۔ چنانچہ اُس نے کئی مرتبہ اسکول جاتے وقت ضد کی کہ وہ فراک نہیں پہنے گی ــ اُسے نیکر اور کالروں والی قمیص پہنائی جائے۔ مگر اُس کی یہ بات، مانی نہ گئی ــ

کنڈرگارٹن سے نکل کر وہ فرسٹ اسٹینڈرڈ میں آگئی ــ ذہین تھی تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ آگے بڑھا دی گئی۔

اُس کو سیٹی بجانے کا بڑا شوق تھا۔ اُس کے والدین منع کرتے تھے کہ یہ کسی لڑکی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ سیٹیاں بجاتی پھرے مگر طاہرہ باز نہیں آتی تھی۔

جب وہ چودہ برس کی ہوگئی تو وہ کنونٹ سے نکل کر کسی دوسرے اسکول میں نویں جماعت میں تھی۔ بڑی ذہین تھی۔ اُس کی استانیاں اُس کی گرویدہ تھیں۔ مگر وہ خوش نہیں تھی۔ اِس لیے کہ اس اسکول میں مخلوط تعلیم نہیں تھی۔ اُس کو اپنی ہم جماعت لڑکیوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ واپس کنونٹ چلی جائے جہاں لڑکے بھی ہوتے ہیں۔

جب اُس نے نویں جماعت کا امتحان پاس کرلیا۔ بڑے اچھے نمبروں پر، تو اُس نے اپنے والدین سے استدعا کی وہ اُسے واپس انگریزی اسکول میں بھیج دیں، مگر وہ نہ مانے۔ اُس دن طاہرہ دیر تک روتی رہی۔

اُسے اب انٹرنس کا امتحان دینا تھا۔ محنت کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اُسے عجیب قسم کی جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے اُس کے جسم کے تمام اعضاء چیخ رہے ہیں۔

اب وہ سولہ برس کی تھی۔ اُس کا جسم کنواری لڑکیوں کی تمام رعنائیوں کا مجموعہ تھا، لیکن اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ سکڑ رہی ہے۔ اُس کے اجزاء کوئی نئی ہیئت اختیار کر رہے ہیں۔

ایک رات وہ بیٹھی اپنی سہیلی کے ساتھ الجبرا پڑھ رہی تھی کہ اُس کے جی میں آئی کہ اُس کا مُنہ چوم لے اور اُس سے مردانہ وار پیار کرے۔ بہت دیر

دیر تک اُس نے اپنی اس خواہش کو دبائے رکھا۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ اُس نے الجبرے کا ایک سوال حل کرنے کے بعد اپنی اس سہیلی کو اپنی باہنوں میں بھینچ لیا اور اُس کے ہونٹوں کو چومنا شروع کر دیا۔ وہ بیچاری بوکھلا گئی

"یہ آج تمھیں کیا ہو گیا ہے طاہرہ ؟"

طاہرہ کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ اُس نے بس اتنا کہا:

"بس مجھے تم پہ پیار آ گیا"

اُس کی سہیلی شاہدہ نے اپنے ہونٹ دوپٹے سے پونچھے:

"الجبرا بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے پڑھتے پڑھتے آدمی کو ایسا پُر جوش پیار آ جائے"

طاہرہ نے فلسفیانہ انداز میں کہا:

"پیار بھی ایک قسم کا الجبرا ہے۔ یہ لا ہے۔ مگر تم کیا سمجھو گے"

شاہدہ کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ لا کے متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ طاہرہ نے اُسے پھر اپنی آغوش میں لے کر اُس کا منہ چومنا شروع کر دیا۔ شاہدہ اتنی وحشت زدہ ہوئی کہ اپنی کتابیں وہیں چھوڑ کر بھاگ گئی۔

اِسی طرح ایک دن سعیدہ کے ساتھ ہوا۔ وہ طاہرہ کے پاس

بیٹھی تھی۔ دونوں موٹر کار میں بیٹھی تھیں۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا
طاہرہ کا ہاتھ سعیدہ کے اُبھرے ہوئے سینے کی طرف بڑھا اور اُسے
ٹٹولنے لگا۔ سعیدہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دبی زبان میں اُس
نے طاہرہ سے کہا:

" یہ کیا بیہودگی ہے ؟ "

طاہرہ مسکرائی:

" گھبراتی کیوں ہو، میں اکھاڑ کے تو نہیں لے جاؤں گی "

سعیدہ نے طاہرہ کے سینے کی طرف دیکھا۔ اُس کی عمر سولہ سال سے
زیادہ تھی، مگر سینہ بالکل سپاٹ تھا۔ جیسے وہاں کبھی کوئی چیز پیدا نہ
ہوئی تھی۔

" تمہاری چھاتیوں کو کیا ہوا ہے، اب سے ایک برس پہلے اچھی بھلی
تھیں۔ نظر آسکتی تھیں — پر اب جانے کہاں غائب ہو گئی ہیں "

طاہرہ نے جواب دیا۔

" مجھے خود تعجب ہے — میرا خیال ہے پچھلے دنوں جو مجھے ٹائی فائیڈ
ہوا تھا، اُس کی وجہ سے میں کمزور ہو گئی ہوں "

" کمزور تو تم بالکل نہیں ہوئی ہو، اچھی بھلی ہو — بلکہ پہلے سے کئی

کئی گنا زیادہ طاقت ور ہو — پر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارے اوپر کے ہونٹ

گنا زیادہ طاقت ور ہو — پر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارے اوپر کے ہونٹ پر
بال کیوں اُگ آئے ہیں ؟"

"پتا نہیں، شاید اس کی وجہ بھی ٹائی فائیڈ ہو"

"ہر جگہ ٹائی فائیڈ — !"

طاہرہ نے سعیدہ کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی :

"لعنت بھیجو اس ٹائی فائیڈ پر — مجھے تم سے محبت ہے"

سعیدہ مسکرائی :

"تو میں کیا کروں ؟"

طاہرہ نے کہا :

"مجھ سے محبت کرو"

"مجھے محبت کرنا نہیں آتی"

طاہرہ نے کہا :

"بکواس کرتی ہو — جب تمھاری شادی ہو جائے گی تو کیا تم اپنے
شوہر سے محبت نہیں کرو گی"

سعیدہ پھر مسکرائی :

"میں شادی کی قائل نہیں ہوں"

طاہرہ نے پوچھا:

"تو کس چیز کی قائل ہو ـــــ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمھاری میری شادی ہو جائے ــ"

"تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے"

"کچھ ایسا ہی لگتا ہے"

"تو علاج کراؤ"

طاہرہ بیحد سنجیدہ ہو گئی۔

"سعیدہ، معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے ـــــ میں کئی دنوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ مجھ میں کوئی زبردست تبدیلی ہو رہی ہے۔ میری حالت قابلِ رحم ہے۔ میں جانتی ہوں کسی لڑکی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسری لڑکی کی چھاتیوں پر ہاتھ ڈالے، پر کیا کروں، میرے اندر یہ خواہش ایک دم پیدا ہو جاتی ہے اور میں کسی سہیلی کا منہ چومنا شروع کر دیتی ہوں یا اُس سے اِس طرح پیار کرنے لگتی ہوں، جیسے فلموں میں ہیرو، ہیروئین سے کرتے ہیں ـــ یہ آخر ہے کیا؟"

سعیدہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

"مجھے کیا معلوم ـــ تم اصل میں ایک روز پاگل ہو جاؤ گی"

طاہرہ نے سوچا اور اس کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ پاگل ہو چکی ہے ۔ اس سے ایسی کئی حرکتیں سرزد ہو چکی تھیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا ۔

اپنے بھائی کی پتلون پہن کر کمرے کے تمام دروازے بند کر کے گھنٹوں ٹہلتی رہتی ۔ کبھی کبھی اپنے باپ کے سگرٹ کیس میں سے دو تین سگرٹ اڑا لیتی اور غسل خانے میں جا کر پیتی ۔

وہ سعیدہ سے بے حد پیار کرنے لگی تھی ، مگر وہ بے اعتنائی برتتی جس سے طاہرہ کو بہت دکھ ہوتا ۔ چنانچہ وہ کئی کئی گھنٹے روتی ۔ اس کو عشق و محبت سے بھرپور خط لکھتی مگر وہ جواب نہ دیتی ۔

اسکی شادی کے کئی پیغام آئے مگر اس نے اپنے والدین سے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ کنواری رہے گی ۔ اسے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں ۔ وہ اپنی تعلیم جاری رکھنا چاہتی ہے ۔

طاہرہ نے اپنی تعلیم جاری رکھی ۔ مگر اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں کہ وہ ہر وقت پریشان رہتی ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ انٹرنس کے امتحان ہو گئی ۔ اس کو اپنی اس ناکامی پر اتنی ندامت ہوئی کہ سات آٹھ دن اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی ۔

اس کے والدین بڑے پریشان تھے ۔ اوّل تو انہیں اس بات پر حیرت تھی کہ وہ فیل کیسے ہو گئی ۔ پھر وہ یہ سوچتے تھے کہیں طاہرہ کا دماغ تو نہیں چل گیا ۔ وہ عجیب و غریب حرکات کرتی تھی ۔ اس کے والد کو یہ پتہ بھی چل گیا کہ وہ سگرٹ پیتی ہے ۔ اپنے بھائی کی پتلون

پہن کر کمرے میں ٹہلتی ہے۔ اپنے بالائی ہونٹوں کے مہین مہین بال سیفٹی ریزر سے مونڈتی ہے۔ وہ حیران تھے کہ یہ قصہ کیا ہے؟

بہت دنوں کے بعد آخر ایک دن طاہرہ نے اپنی ماں سے بہت جھینپ جھینپ کر کہا کہ وہ لڑکا بن رہی ہے۔

اس کی ماں نے سمجھا کہ اس کا دماغ ٹھیک نہیں اسی لئے یہ بکواس کر رہی ہے۔ لڑکی سے لڑکا کیسے بن سکتا ہے۔ اس نے اس کا ذکر اپنے خاوند سے کیا جو پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ لڑکی سے لڑکا اور لڑکے سے لڑکی بن جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ طاہرہ کو فوراً اپنے ایک دوست ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

طاہرہ بڑی شرمیلی تھی۔ اس کے باپ کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر سے معائنہ نہیں کرائے گی۔ مگر اس نے کوئی حیل وحجت نہ کی۔

ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور طاہرہ کے والد کو بتایا کہ واقعی آپکی لڑکی لڑکا بن رہی ہے، بلکہ قریب قریب بن چکی ہے۔

طاہرہ کو ہسپتال داخل کر دیا گیا۔ وہاں اس کا اپریشن کیا گیا۔ اس نے اپنی چھوٹی چھوٹی اندر کو دھنسی ہوئی چھاتیوں پر کس کے کپڑا باندھ رکھا تھا۔ جب اس کا اپریشن کامیاب ثابت ہوا تو وہ بالکل غائب ہو گئیں اور طاہرہ مکمل لڑکا بن گئی۔

جب وہ ہسپتال سے نکلی تو اس کی سہیلیاں اس سے ملنے آئیں۔ مگر وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔ اس کے باپ نے اسے گاؤں بھیج دیا۔ وہاں اس کے بال کٹوائے

گئے۔ مٹھائی بانٹی گئی - گاؤں والے سب حیران تھے کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے - لڑکی سے لڑکا کیسے بن سکتا ہے - شیرنی، شیر بن جائے، یہ کیسے ممکن ہے -

وہ شیرنی تو نہیں تھی بڑی نرم و نازک لڑکی تھی - تمام نسوانی صفات کی حامل مگر اب وہ لڑکا بن چکی تھی - اس کی آنکھوں میں لڑکیوں ایسی حیا تھی - اس کے خدوخال بھی قدرتی نسوانی تھے - اس کی ادائیں بھی نسوانی -

اس کا نام طاہر عبداللہ رکھ دیا گیا - وہ اب مردانہ لباس پہنتی تھی، اور بہت خوش تھی - ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ لینے کے بعد کہ اس کی جنس تبدیل ہوگئی ہے - اسے ایک اسکول میں داخل کرا دیا گیا - یہاں سب لڑکوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ وہ لڑکی سے لڑکا بنی ہے - چنانچہ اس کو ہر طالب علم چھیڑتا تھا -

طاہرہ بہت جزبز ہوتی --- بلکہ یوں کہیئے کہ طاہر بہت زچ آجاتا - لیکن تحمل سے کام لیتا - لڑکے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ابھی نازک اندام ہے - لیکن ایک روز جب ایک طالب علم نے اس سے ناشائستہ مذاق کیا تو اس نے اس کو سکول کے کمپاؤنڈ میں پیٹ ڈالا - اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ صنفِ نازک کے علاقہ سے باہر نکل چکی ہے -

اس کے والدین پریشان تھے کہ اس کی شادی کیلئے کون رضامند ہوگا - طاہر نے بی اے پاس کرلیا - اب وہ اچھا خاصا جوان لڑکا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تک نسوانیت کی جھلک تھی - اس کے والدین نے اسکی شادی کیلئے کئی جگہ کوشش کی

مگر کوئی نہ مانا۔ ان کو شائد یہ شبہ تھا کہ طاہر مردانہ قوتوں کا مالک نہیں۔ لڑکی سے لڑکا بن کے وہ کیسے پورا مرد بن سکتا ہے۔

ایک دن طاہر کے باپ نے اخبار میں پڑھا کہ سرگودھا میں ایک لڑکا لڑکی بن گیا ہے۔ وہ فوراً پتہ لگا کر وہاں پہونچا اور اس لڑکے کو جو لڑکی بن گیا تھا دیکھا۔ بڑا خوبصورت تھا۔ اس نے جب اپنا اطمینان کرلیا کہ وہ اب واقعی لڑکی ہے، تو اس نے اپنی لڑکی طاہرہ کا، جو اب طاہر تھی، رشتہ پیش کیا جو قبول کرلیا گیا۔

اس لڑکے کا نام سعید تھا۔ مگر اب اسے سعیدہ کہہ کے پکارا جاتا تھا۔ طاہر سابق طاہرہ اور سعیدہ سابق سعید کی شادی ہوگئی۔ دونوں کی ازدواجی زندگی بڑی مسرت میں گذر رہی ہے۔

سعادت حسن منٹو

۹ راگست ۱۹۵۴ء

سیاہ حاشیے

فسادات کے بارے میں منٹو نے جن جن
لطیف باتوں کو دیکھا اور سنا انہیں بھی قلمبند کر دیا تھا۔

جوتا

ہجوم نے رُخ بدلا اور سر گنگا رام کے بُت پر پل پڑا لاٹھیاں برسائی گئیں۔ اینٹیں اور پتھر پھینکے گئے۔ ایک نے منہ پر تارکول مل دیا۔ دوسرے نے بہت سے پرانے جوتے جمع کئے اور ان کا ہار بنا کر بُت کے گلے میں ڈالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اور پولیس آ گئی اور گولیاں چلنا شروع ہوئیں۔ جوتوں کا ہار پہنانے والا زخمی ہو گیا۔ چنانچہ مرہم پٹی کے لئے اسے سر گنگا رام ہسپتال بھیج دیا گیا۔

حلال اور جھٹکا

"میں نے اس کی شہ رگ پر چھری رکھی۔ ہولے ہولے پھیری اور اس کو حلال کر دیا۔"

"یہ تم نے کیا کر دیا؟"

"کیوں؟"

"اس کو حلال کیوں کیا؟"

"مزہ آتا ہے اس طرح۔"

"اور مزہ آتا ہے کے بچے، تجھے جھٹکا کرنا چاہیئے تھا ـــــ اس طرح۔"

اور حلال کرنے والے کی گردن کا جھٹکا ہو گیا۔

رعایت

"میری آنکھوں کے سامنے میری جوان بیٹی کو نہ مارو۔"

"چلو اسی کی مان لو ـــــ کپڑے اتار کر ہانک دو ایک طرف۔"

آرام کی ضرورت

"مرا نہیں ——— دیکھو ابھی جان باقی ہے"
"رہنے دو یار ——— میں تھک گیا ہوں"

بڈھا کھوسٹ

(۱۳ مئی ۵۴ء)

یہ جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد کی بات ہے جب میرا عزیز ترین دوست لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیم شیخ (اب) ایران، عراق اور دوسرے محاذوں سے ہوتا ہوا بمبئے پہنچا۔ اس کو اچھی طرح معلوم تھا میرا فلیٹ کہاں ہے۔ ہم میں گاہے گاہے خط و کتابت بھی ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس سے کچھ نہیں آتا تھا۔ اس لئے کہ ہر خط سنسر ہوتا ہے ادھر سے جائے یا ادھر سے آئے۔ عجیب مصیبت تھی۔

مگر اب ان مصیبتوں کا ذکر کیا کرنا۔ اسے بمبئی کے بی، بی، اینڈ سی، آئی، اے ٹرمینس پر اس کی پوسٹنگ ہوئی۔ اس وقت وہ صرف لیفٹیننٹ تھا۔ ہم دونوں وسیع و عریض ریلوے اسٹیشن کے بوفے میں بیٹھ گئے اور دوپہر کے بارہ ایک بجے تک ٹھنڈی بیئر پیتے رہے۔ اس نے اس دوران میں مجھے کئی کہانیاں سنائیں۔ جن میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اس نے ایران عراق اور خدا معلوم اُن اور ملکوں کے اچھے اچھے شہروں میں سفر

میں سفر کرتا رہا۔ ہمیشہ دو عاشق تو کان کے زمانے سے تھا۔ اس کی داستانیں اگر پیش کی جائیں

تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ بہرحال آپ کو اتنا بتانا ضروری ہے کہ اسے لڑکیوں کو

اپنی طرف متوجہ کرنے کا گُر معلوم تھا۔

گورڈن کالج راولپنڈی میں وہ راجہ اندر تھا۔ اس کے دربار میں وہاں کی تمام پریاں

آداب عرض کرتی تھیں ——— خوبصورت تھا۔ کافی خوبصورت مگر اس کا حسن

مردانہ حسن تھا۔ پتلی نوکیلی ناک جو یقیناً اپنا کام کر جاتی ہوگی۔ چھوٹی چھوٹی بھورے

بھورے رنگ کی آنکھیں، جو اس کے چہرے پر سج گئی تھیں، بڑی ہوتیں تو شاید

چہرے کی ساری کشش ماری جاتی۔

وہ بھونرا تھا جس طرح لارڈ بائرن صرف کچھ عرصے کے لئے کسی سے دلچسپی

لیتا تھا اور اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا، جیسے وہ اس کی زندگی میں کبھی آئی ہی نہیں

اسی طرح کا سلوک وہ اپنے جال میں پھنسی ہوئی لڑکیوں سے کرتا۔ مجھے اس کا یہ

رویہ پسند نہیں تھا کیونکہ میری نظر میں بہت ظالمانہ ہے۔ مگر وہ بے پرواہ تھا۔

اکثر کہتا ——— غالب پڑھو۔ وہ کیا کہتا ——— اسے متن یاد کبھی نہیں رہتا تھا، مگر

اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کر دیا کرتا ——— وہ کہتا ہے، وہی شراب طہورا

اور جنت میں وہی اک حور ——— واللہ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے ——— تصور

کی کوئی تو دلیل کار ہیں چو سو ——— [illegible]

پھر اس نے اقبال کے ایک شعر کا حوالہ اپنا بیئر کا گلاس خالی کرتے ہوئے دیا۔ کہا کہا ہے اقبال نے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

ثابت ہوا کہ تم نہ صرف ناداں ہو، بلکہ درجہ اول بنا سپتی گھی کی طرح چغد بھی ہو ـــــ اب ہٹاؤ اس بکواس کو یہ

میں نے یہ بکواس اسی طرح ہٹائی جس طرح بیرے نے میری بیر کی خالی بوتل کو ہٹایا۔

پیشتر اس کے کہ میں اصل کہانی کی طرف آؤں، میں آپ کو شیخ سلیم سے متعلق ایک بہت دلچسپ واقعہ سناتا ہوں۔ ہم گورڈن کالج میں بی، اے فائنل میں پڑھتے تھے کہ کیمپس کی تتلیوں میں ایک رکنی کی شادی کی اڑتی اڑتی افواہ ہمیں ملی۔ یہ رکنی ہماری ہی کسی کلاس میں پڑھتی تھی اور کچھ عرصہ پہلے بری طرح شیخ سلیم پر فریفتہ، شکل صورت اس کی واجبی تھی مگر میرا دوست اس شہد کی مکھی تھی، چنانچہ دو مہینے ان کا معاشقہ چلتا رہا اس کے بعد وہ اس سے بالکل اجنبی ہو گیا۔

جب اس کو بتایا گیا کہ رکنی جو تمہاری محبوبہ تھی اور جس کی خاطر تم نے اتنے جھگڑے اپنی کلاس کے طالب علموں سے کئے۔ وہ اگر دوسری جگہ بیاہی جاتے تو تم ڈوب مرو ـــــ لیکن تم تیرنا جانتے ہو ڈوبنے کا کام ہم اپنے ذمے لیتے ہیں۔"

شیخ سلیم کو اس قسم کی باتیں عموماً کھا جاتی تھیں اس نے اپنی مہین مہین مونچھوں کو تاؤ دینے کی کوشش کی اور کہا ارر اچھا، تم دیکھ لینا ـــــ کیا ہوگا؟"
اس ہی پارٹی کے ایک توری میکل لڑکے نے پوچھا۔
"کیا ہوگا؟"
شیخ سلیم نے اس کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ "ہوگا تمہاری ماں کا سر ـــــ جب شادی کا دن آنے گا، دیکھ لینا ـــــ چلو آؤ میرے ساتھ مجھے تم سے چند باتیں کرنی ہیں۔"

شادی کا دن آگیا۔ بارات جب دولہا والوں کے گھر کے پاس پہنچی تو کوئی شخص سر پہ سہرے باندھے بڑے اچھے گھوڑے پر سوار اندر داخل ہوگیا دولہا موٹر میں تھا جس پر پھولوں کا جال بنا ہوا تھا۔
گھوڑ سوار سہرے سے لدا پھندا شامیانے کے پاس تھا۔ گھوڑا خود دولہا بنا ہوا تھا۔ دولہن کا باپ اور اس کے رشتہ دار آگے بڑھے۔ گھوڑے کا مالک بھاگا بھاگا آگیا تھا۔ اس سہرے سے لدے ہوئے آدمی کو اس جگہ بٹھا دیا گیا۔ جہاں دولہن کو بھی ـــ بٹھانا تھا۔ بیچ میں ہون کنڈ تھا جس میں چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کے ٹکڑے جل رہے تھے۔ انہوں نے ننگے بدن اٹھ کر دولہن کو اغیرا دی اور دولہن سے کہا "سردار جی دولہن کو جلد بٹھا دیجئے، مہورت ہوگیا ہے۔"

فوراً رکمنی پہنچ گئی اور کچھ عرصے کے لئے دولہا کے ساتھ بٹھا دی گئی۔ پنڈت جی نے کچھ پڑھا، جس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا —— لیکن ایک دم شادی کے اس جلسے میں ایک ہڑبونگ سی مچ گئی۔ جیپ کار سے ایک دولہا نکل کر سامنے آ گیا اور بلند آواز میں تمام حاضرین کو مخاطب کیا "میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے —— میں دعویٰ دائر کر دوں گا"

وہ دولہا جو ہاتھ پکڑ کر دلہن کو اٹھا رہا تھا بڑی خوفناک آواز میں چلایا "ابے جا بے دعوے دائر کرنے سے کچھ لگتے"

یہ کہہ کر اس نے اپنے پھولوں کا گھونگھٹ اٹھا دیا اور ان ہزار کے قریب آدمیوں سے جو شامیانے کے نیچے تھے کچھ کہنا چاہا —— مگر قہقہہ کا ایک سمندر موجیں مارنے لگا —— دوسری پارٹی کے آدمی بھی ان قہقہوں میں شریک ہوئے، کیونکہ جب یہ پھولوں کا پردہ علیحدہ ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ شیخ سلیم ہے۔

رکمنی بڑی خفیف ہوئی اگر شیخ سلیم نے بڑی جرأت سے کام لے کر اس سے بلند آواز میں پوچھا "تم اس چغد کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو" رکمنی خاموش رہی۔ ہنستا، قہقہے لگاتا وہ اپنے گھوڑے پر بڑی صفائی سے سوار ہوا اور ایڑھ لگا کر کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ گھوڑے سے اتر کر ہم دونوں نکل گئے تھے، اس لئے کہ میں اس کے پیچھے گھوڑے کی سی تیز رفتاری سے بھاگا تھا۔ اس نے میرا کندھا بڑے زور سے ہلایا "کیوں بیٹے، تم سے میں نے کیا کہا تھا —— اب

دیکھ لیا؟

ہوا تو سب کچھ ٹھیک تھا مگر مجھے ڈر تھا کہیں شیخ سلیم گرفتار نہ ہو جائے میں نے اُس سے کہا "جو تم نے کیا وہ اور کوئی نہیں کر سکتا، لیکن بھائی میرے کہیں ہنسی میں پھنسی نہ ہو جائے۔ فرض کرو اگر لڑکی کے باپ نے تجھے گرفتار کرا دیا؟"

وہ اکڑ کر بولا "اس کے باپ کا باپ بھی نہیں کر سکتا —— کون اپنی بیٹی کو عدالت چڑھائے گا —— میں تو اسی وقت گرفتار ہونے کے لئے تیار ہوں لے جائے مجھے تھانے —— اس سالی کے سارے پول کھول دوں گا ——

میرے پاس اس کے درجنوں خطوط پڑے ہیں۔"

سارے شہر میں یہی افواہ پھیلی ہوتی تھی کہ لڑکی کا باپ شیخ سلیم کو ضرور اس کی گستاخی کی سزا دلوائے گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے۔ مگر کچھ نہ ہوا۔

جب کئی دن گزر گئے تو وہ میرے پاس گاتا ہوا آیا۔

"تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے

دیکھنے ہم بھی گئے پہ وہ تماشا نہ ہوا"

اب میں اصل کہانی کی طرف پلٹتا ہوں جو اس واقعے سے بھی زیادہ عجیب اور معنی خیز ہے —— یہ خود اس نے مجھے سنائی جس کی صداقت پہ مجھے سو فی صد یقین ہے —— اس لئے کہ شیخ سلیم جھوٹا کبھی نہیں تھا۔

اس نے مجھے بتایا میں ایران میں تھا وہاں کی لڑکیاں عام یورپین لڑکیوں

کی طرح ہوتی ہیں، وہی لباس، وہی وضع قطع بالبتہ ناک نقشے کے لحاظ سے کافی مختلف ہوتی ہیں ــــــ جتنی خرافات وہاں ہوتی ہے شاید ہی کسی اور ملک میں ہوتی ہے ــــــ میں نے وہاں کئی شکار کئیں۔ وہ میرے ایک بڑے افسر کرنل عثمانی تھے سالانکہ اُن کا عہدہ جیسا کہ ظاہر ہے مجھ سے بہت بڑا تھا۔ لیکن وہ میرے بڑے مہربان تھے۔ میس میں جب بھی مجھے دیکھتے زور سے پکارتے ــــــ ادھر آؤ شیخ، میرے پاس بیٹھو؛ اور وہ میرے لئے ایک کرسی منگواتے۔ وسکی کا دور چلتا تو اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتے۔ کرنل عثمانی صاحب کو مجھ سے چھیڑ خانی کرنے میں خاص مزہ آتا ــــــ جب وہ کوئی فقرہ مجھ پر چست کرتے تو بہت خوش ہوتے ــــــ کافی معمر آدمی تھا۔ اس کے علاوہ بڑا افسر، میں خاموش رہتا ــــــ اُن کو اُن پولستانی نرسوں سے بڑی دلچسپی تھی جو وہاں ایمبولینس کور میں کام کرتی تھیں ــــــ یہ پولستانی لڑکیاں بلا کی تنومند ہوتی ہیں ــــــ یہ موٹی موٹی سفید پنڈلیاں۔ بڑی مضبوط چھاتیاں بڑی بڑی اور صحت مند، کولھے چوڑے اور گوشت سے بھرے ہوئے جن میں سختی ہو ــــــ لوہے ایسی سختی ــــــ میری کئی دوست تھیں۔ پر جب میں آئرن سے ملا تو سب کو بھول گیا۔ سارے ایران کو بھول گیا۔ بڑی دقیق تھیں نقش سب چھوٹے چھوٹے تھے۔ اگر تم اس کی چھاتیوں اور پنڈلیوں کو پیش نظر رکھتے تو یہی سمجھتے کہ اس کے ہاتھ ڈبل روٹی کے مانند ہوں گے۔ اس کی انگلیاں اتنی موٹی ہوں گی جیسے کسی درخت کے ٹہن ــــــ مگر نہیں دوست، اُس کے ہاتھ بڑے

نرم و نازک تھے، اور اس کی انگلیاں، تم یہ سمجھ لو کہ چغتائی کی بنائی تصویروں کی طرح لمبی لانبی نہیں، مگر پتلی پتلی تھیں ——— میں تو اس پر فریفتہ ہو گیا ——— چند روز کی ملاقاتوں ہی میں اس کے میرے تعلقات بے تکلفی کی حد تک بڑھ گئے۔"

یہاں تک پہنچ کر شیخ رک گیا۔ ایک نیا پیگ گلاس میں ڈالا اور سوڈا ملا کر غٹا غٹ پی گیا۔ "دوبارہ دہراؤ یہ قصہ"۔ میں نے اس سے کہا "لفٹنٹ صاحب، آپ آپ نے خود ہی تو شروع کیا تھا۔"

اس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر میری طرف دیکھا۔ ایک اور پیگ اپنے گلاس میں تین چار پیگ جو بوتل میں باقی بچ گئے تھے، انتقاماً میرے گلاس میں ڈالے اور خود سوکھی جسے انگریزی میں نیٹ کہتے ہیں پی گیا اور کھانس کھانس کر اپنا برا حال کر لیا۔ "لعنت ہو تم پر!"

"یعنی یہ کیا موقعہ تھا مجھ پر لعنت بھیجنے کا!"

اس کی کھانسی اب بند ہو گئی تھی اور وہ رومال سے اپنا منہ پونچھ رہا تھا۔ "کچھ نہ پوچھو میری جان ——— دوسرے روز رات کو کرنل صاحب سے ملاقات ہوئی ——— انہوں نے بڑے طنز سے کہا، کہو صاحبزادے! ہمیں بڑھا سمجھتے ہو ——— وہ تم نے ضرب المثل نہیں سنی ——— نیا ایک دن پرانا سو دن ——— میں نے ان سے عرض کی، کرنل صاحب، آپ کا میرا کیا مقابلہ ——— مگر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ کمبخت اس حقیقت سے اب تک غافل ہے کہ [illegible]

لڑکا ہے جیسا ہے اور عشق فرما رہا ہے۔

میں خدا کی قسم جب اس عمر کو پہنچوں گا تو خودکشی کر لوں گا —— اس منہ کے ساتھ میں یہاں آ سکتے ہیں دانت مصنوعی ہیں، میری آئرن پر نگاہیں لگائے بیٹھا ہے۔ کرنل ہوگا تو اپنے گھر میں۔ اس نے کبھی پھر اس کی بات کی تو ایک ایسا گھونسا جماؤں گا اس کی سوکھی گردن پر کہ منہ باہر آ جائے گا۔"

ڈیڑھ گھنٹہ اس نشست کے بعد کھوسٹ سے آئرن —— نہایت ہی پیاری آئرن کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ وہ ملنے سے باز نہ آیا۔ دل کا جو حال تھا وہ رہا تھا میں نے اپنے ہونٹوں پر بڑی شاندار قسم کی مسکراہٹ پیدا کی اور اس سے کہا۔ کرنل صاحب جو آپ نے بڑھاپے کا ذکر کیا ہے، آپ تو ماشاءاللہ جوان ہیں۔"

یہ محفل ختم ہوئی تو میں بہت خوش ہوا۔ آئرن نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ دوسرے روز فلاں ہوٹل میں شام کو سات بجے ملے گی۔ اس میں فوجیوں کو اجازت تھی۔ اتوار تھا اس لئے میں وردی کے بجائے نہایت اعلیٰ سوٹ پہن کر وہاں پہنچا۔ سات بجنے میں ابھی نو منٹ باقی تھے میں ڈائننگ ہال میں داخل ہوا، تو میرے پاؤں وہیں کے وہیں جم گئے کرنل صاحب آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے غافل آئرن کا بڑا لمبا بوسہ لے رہے تھے —— مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں اس کرنل سے کہیں زیادہ بڈھا کھوسٹ بن گیا ہوں

حافظ حسن دین

حافظ حسن دین جو دونوں آنکھوں سے اندھا تھا، ظفر شاہ کے گھر میں آیا۔ پٹیالے کا ایک دوست رمضان علی تھا۔ جس نے ظفر شاہ سے ان کا تعارف کرایا۔ وہ حافظ صاحب سے مل کر بہت متاثر ہوا۔ گو اُن کی آنکھیں دیکھتی، مگر ظفر شاہ نے یوں محسوس کیا کہ اس کو ایک نئی بصارت مل گئی ہے:

ظفر شاہ ضعیف الاعتقاد تھا۔ اس کو پیروں فقیروں سے بڑی عقیدت تھی۔ جب حافظ حسن دین اس کے پاس آیا تو اس نے اس کو اپنے فلیٹ کے نیچے موٹر گیراج میں ٹھہرایا۔ اس کو وہ وائیٹ ہاؤس کہتا تھا۔

ظفر شاہ سید تھا مگر اس کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مکمل سید نہیں۔ چنانچہ اس نے حافظ حسن دین کی خدمت میں گزارش کی کہ وہ اس کی تکمیل کر دیں، حافظ صاحب نے تھوڑی دیر اپنی بے نور آنکھیں گھما کر اس کو جواب دیا۔ "بیٹا ـــ تو پورا سید بنا چاہتا ہے"

تو غوثِ اعظم جیلانی سے اجازت لینا پڑے گی "۔
" تو آپ ازراہِ کرم اجازت لے لیجئے "۔
حافظ صاحب نے پھر اپنی بے نور آنکھیں گھمائیں " اُن کے حضور میں تو فرشتوں کے پر جلتے ہیں "۔
ظفر شاہ کو بڑی نا امیدی ہوئی " آپ صاحب کشف ہیں ـــــ کوئی مداوا تو ہوگا "۔
حافظ صاحب نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی " ہاں ـــــ چلہ کاٹنا پڑے گا مجھے "۔
" اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو اپنے اس خادم کے لئے کاٹ لیجئے "۔
" سوچوں گا "
حافظ حسن دین ایک مہینے تک سوچتا رہا اس دوران میں ظفر شاہ نے اس کی خاطر مدارت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حافظ صاحب کے لئے وہ صبح اٹھتے ہی وہ ڈیڑھ پاؤ بادام توڑتا ان کے مغز نکال کر سردائی بناتا۔ دوپہر کو ایک سیر گوشت بھنوا کر ان کی خدمت میں پیش کرتا شام کو ملائی ملی ہوئی چائے پلاتا۔ رات کو ایک مرغِ مسلم حاضر کرتا۔
یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر حافظ حسن دین نے ظفر شاہ سے کہا " اب مجھے آوازیں آنی شروع ہو گئی ہیں "۔

ظفر شاہ نے پوچھا "کیسی آوازیں قبلہ؟"

"تمہارے متعلق"

"کیا کہتی ہیں؟"

"تم ایسی باتوں کے متعلق مت پوچھا کرو!"

"معافی چاہتا ہوں"

حافظ صاحب نے ٹٹول ٹٹول کر مرغ کی ٹانگ اٹھائی اور اسے دانتوں سے کاٹتے ہوئے کہا "تم اصل میں منکر ہو ــــــ آزمانا چاہتے ہو تو کسی کنوئیں پر چلو!"

ظفر شاہ گھبرا گیا "حضور! میں آپ کو آزمانا نہیں چاہتا ــــ آپ کا ہر لفظ صداقت سے لبریز ہے"

حافظ صاحب نے سر کو زور سے جنبش دی "نہیں ــ ہم جانتے ہیں کہ تم ہمیں آزماؤ ــــ کھانا کھالیں تو ہمیں کسی کنوئیں پر لے چلو!"

"وہاں کیا ہوگا قبلہ!"

"میرا معمول آواز دے گا ــــــ وہ کنواں پانی سے لبالب بھر جائے گا۔ اور تمہارے پاؤں گیلے ہو جائیں گے ــــــ ڈر گئے تو نہیں؟"

ظفر شاہ ڈر گیا تھا حافظ حسن دین جس لہجے میں باتیں کر رہا تھا، بڑا پر ہیبت تھا۔ لیکن اس نے اس خوف پر قابو پا کر حافظ صاحب سے کہا "جی نہیں ــــ آپ کی ذات

اقدس میرے سامنے ہو گی تو ڈر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

جب سارا مرغ ختم ہو گیا تو حافظ صاحب نے ظفر شاہ سے کہا "میرے ہاتھ دھلواؤ ــــــ اور کسی کنوئیں پر لے چلو"

ظفر شاہ نے اس کے ہاتھ دھلوائے تولیے سے پونچھے اور اسے ایک کنوئیں پر لے گیا جو شہر سے کافی دور تھا۔ حافظ حسن دین چادر لپیٹ کر بیٹھ گیا مگر حافظ صاحب نے چلا کر کہا "پانچ قدم پیچھے ہٹ جاؤ ــــــ میں پڑھنے والا ہوں، کنوئیں کا پانی لبالب بھر جائے گا ــــــ تم ڈر جاؤ گے"

ظفر شاہ ڈر سے دس قدم پیچھے ہٹ گیا ــــــ حافظ صاحب نے پڑھنا شروع کر دیا۔

رمضان علی بھی ساتھ تھا جس سے ظفر شاہ سے حافظ صاحب تعارف کرایا۔ وہ دور بیٹھا مونگ پھلی کھا رہا تھا۔

حافظ صاحب نے کنوئیں پر آنے سے پہلے ظفر شاہ سے کہا تھا کہ دو سیر چاول، ڈیڑھ سیر شکر اور پاؤ بھر کالی مرچوں کی ضرورت ہے، جو اس کا معمول کھانے کا ہے۔ تمام چیزیں حافظ صاحب کی چادر میں بندھی تھیں۔

دیر تک حافظ حسن دین معلوم نہیں کس زبان میں پڑھتا رہا مگر اس کے معمول کی کوئی آواز نہ آئی ــــــ نہ کنوئیں کا پانی اوپر چڑھا۔ حافظ نے چاول، شکر اور مرچیں کنوئیں میں پھینک دیں، پھر بھی کچھ نہ ہوا ــــــ چند لمحے مکمل سکوت رہا۔ اس کے بعد

حافظ پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور وہ بلند آواز میں بولا "ظفر شاہ کو کراچی لے جاؤ اس سے پانچ سو روپے لو اور گجرانوالہ میں زمین الاٹ کرالو"

ظفر شاہ نے پانچ سو روپے حافظ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس نے یہ روپے اپنی جیب میں ڈال کر اس سے بڑے جلال میں کہا "ظفر شاہ —— تو یہ روپے دے کر سمجھتا ہے، مجھ پر کوئی احسان کیا ہے"

ظفر شاہ نے سرتاپا عجز بن کر کہا "نہیں حضور —— میں نے تو آپ کے ارشاد کی تعمیل کی ہے"

حافظ حسن دین کا لہجہ ذرا نرم ہو گیا "دیکھو سردیوں کا موسم ہے ، ہمیں ایک دستے کی ضرورت ہے"

"چلئے ابھی خرید لیتے ہیں"

"دو گھوڑے کی بوسکی کی قمیض اور ایک پمپ شو"

ظفر شاہ نے غلاموں کی طرح کہا "حضور آپ کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی"

حافظ صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی پانچ سو روپے کا دستہ پچاس روپے کی قراقلی ٹوپی ، بیس روپے کا پمپ شو —— ظفر شاہ خوش تھا کہ اس نے ایک پہنچے ہوئے بزرگ کی خدمت کی ہے۔

حافظ صاحب وائٹ ہارس میں سو رہے تھے کہ اچانک بڑبڑانے لگے۔ ظفر شاہ فرش پر بیٹھا تھا اس کی آنکھ لگنے ہی والی تھی کہ چونکا۔ [illegible] حافظ صاحب کہہ رہے

مجھے "حکم ہوا ہے ــــ ابھی ابھی حکم ہوا ہے کہ حافظ حسن دین تم دریا کے
راوی پہ جاؤ اور وہاں چلّہ کاٹو ــــ چلّہ کاٹو ــــ چلّہ کاٹو ــــ وہاں تم اپنے
معمول سے بات کر سکو گے"

ظفر شاہ، حافظ کو ٹیکسی میں دریائے راوی پر لے گیا۔ وہاں حافظ چھیالیس گھنٹے
معلوم نہیں کیا کچھ پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے ایسی آواز میں جو اس کی اپنی نہیں تھی
کہا اور ظفر شاہ سے تین سو روپیہ ادھر لو ــــ اپنے بھائی کی آنکھوں کا علاج کرو ــــ
تم اس سے غافل کیوں ہو۔ اگر تم نے اس کا علاج نہ کرایا تو وہ بھی تمہاری طرح
اندھا ہو جائے گا"

ظفر شاہ نے تین سو روپے دے دیئے۔ حافظ حسن دین نے اپنی بے نور آنکھیں
گھمائیں جن میں مسرت کی جھلک نظر آ سکتی تھی اور کہا، "ڈاکخانے میں میرے بارہ سو
روپے جمع ہیں ــــ تم کچھ فکر نہ کرو ــــ پہلے پانچ سو اور یہ تین سو ــــ کل آٹھ سو
ہوئے ــــ میں تمہیں ادا کر دوں گا"

ظفر شاہ بہت متاثر ہوا "جی نہیں ــــ ادائیگی کی کیا ضرورت ہے ــــ آپ کی
خدمت میرا فرض ہے"

ظفر شاہ دیر تک حافظ کی خدمت کرتا رہا۔ اس کے عوض حافظ نے چالیس دن
کا چلّہ کاٹا، مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا

ظفر شاہ نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ وہ پورا سید بن گیا ہے اور اس کی تعظیم

ہو گئی ہے، مگر بعد میں اس کو مایوسی ہوئی کیونکہ وہ اپنے میں کوئی فرق نہ دیکھتا اس کی تشفی نہیں ہوتی تھی۔

اس نے سمجھا کہ شاید اس نے حافظ صاحب کی خدمت پوری طرح ادا نہیں کی جس کی وجہ سے اس کی امید بر نہیں آئی، چنانچہ اس نے حافظ صاحب کو روزانہ ایک مرغ کھلانا شروع کر دیا باداموں کی تعداد بڑھا دی۔ دودھ کی مقدار بھی زیادہ کر دی۔

ایک دن اس نے حافظ صاحب سے کہا "پیر صاحب ـــــ میرے حال پر کرم فرمائیے ـــــ میری مراد کبھی تو پوری ہوگی یا نہیں"

حافظ حسن دین نے بڑے پیرانہ انداز میں جواب دیا "ہوگی ـــــ ضرور ہوگی ہم اتنے چلے کاٹ چکے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تم سے ناراض ہیں تم نے ضرور اپنی زندگی میں کوئی ایسا گناہ کیا ہوگا"

ظفر شاہ نے کچھ دیر سوچا "حضور ـــــ میں نے ـــــ ایسا کوئی گناہ نہیں کیا جو ـــــ"

حافظ صاحب نے اس کی بات کاٹ کر کہا "نہیں ضرور کیا ہوگا ـــــ ذرا سوچو"

ظفر شاہ نے پھر کچھ دیر سوچا "ایک مرتبہ میں نے اپنے والد صاحب کے بٹوے سے انھوں نے چرائے تھے"

یہ کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں ہے —— اور سوچو —— کبھی تم نے کسی لڑکی کو بری نگاہ سے دیکھا تھا ؟"

ظفر شاہ نے ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا " ہاں پیر و مرشد —— صرف ایک مرتبہ "

"کون تھی وہ لڑکی ؟"

"جی میرے چچا کی "

"کہاں رہتی ہے ؟"

"جی اسی گھر میں "

حافظ صاحب نے حکم دیا " بلاؤ اس کو —— کیا تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو ؟"

"جی ہاں —— ہماری منگنی قریب قریب طے ہو چکی ہے "

حافظ صاحب نے بڑے پرجلال لہجے میں کہا " ظفر شاہ —— بلاؤ اس کو تم نے مجھ سے پہلے ہی یہ بات کہہ دی ہوتی تو مجھے بیکار اتنا وقت ضائع کرنا پڑتا "

ظفر شاہ کشمکش و پیچ میں پڑ گیا وہ حافظ صاحب کے حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ اور پھر اپنی ہونے والی منگیتر سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ حافظ صاحب سے ملے —— با دلِ نخواستہ اوپر گیا۔ بلقیس بیٹھی ناول پڑھ رہی تھی۔ ظفر شاہ کو دیکھ

کہ وہ ذرا سمٹ گئی اور کہا "آپ آج میرے کمرے میں کیسے آگئے ؟"

ظفر شاہ نے دبے لہجے میں جواب دیا "وہ ـــــ وہ جو حافظ صاحب آتے ہوتے ہیں نا ـــــ"

بلقیس نے ناول ایک طرف رکھ دیا "ہاں، ہاں ـــــ میں نے انہیں کئی مرتبہ دیکھا ہے ـــــ کیا بات ہے"

"بات یہ ہے کہ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

بلقیس نے حیرت کا اظہار کیا۔ "وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں ـــــ ان کی تو آنکھیں ہی نہیں۔"

"وہ تم سے چند باتیں کرنا چاہتے ہیں ـــــ بڑے صاحب کشف بزرگ ہیں ـــــ ان کی برکت سے ممکن ہے ہم دونوں کا بھلا ہو جائے۔"

بلقیس مسکرائی "معلوم نہیں آپ اتنے ضعیف الاعتقاد کیوں ہیں ـــــ لیکن چلئے اندھا ہی تو ہے ـــــ اس سے کیا پردہ ہے۔"

بلقیس ظفر شاہ کے ساتھ نیچے وائٹ ہاؤس میں گئی۔ حافظ حسن دیوان پر بیٹھا چلغوزے کھا رہا تھا جب اس نے قدموں کی چاپ سنی تو بولا "آگئے ظفر شاہ۔"

ظفر شاہ نے نحیف سا جواب دیا "جی ہاں حضور"

"بیٹی کی آئی ہے ؟"

"جی ہاں"

حافظ صاحب نے اپنی بے نور آنکھوں سے بلقیس کو دیکھنے کی کوشش کی کہا اور بیٹھ جاؤ میرے سامنے" بلقیس سامنے اسٹول پر بیٹھ گئی۔

حافظ صاحب نے ظفر سے کہا "اب تمہاری مراد بر آئے گی۔ ہم اس لڑکی کو نسخہ بتائیں گے ـــــ انشاء اللہ سب کام ٹھیک ہو جائے گا"

ظفر شاہ بہت خوش ہوا ـــ اس نے فوراً پھل منگوائے اور بلقیس سے کہا۔ حافظ صاحب معلوم نہیں کتنی دیر لگائیں۔ ان کی خدمت کرنا نہ بھولنا"

حافظ نے کہا دیکھو تم نے ہم سے بہت خوش ہیں ہمارا ہی طبیعت چاہتی ہے کہ تمہیں بھی خوش کر دیں ـــــ جاؤ بازار سے چار تولے نوشادر ایک تولہ چونا۔ دس تولے شنگرف اور ایک مٹی کا کوزہ لے آؤ ـــــ جتنا ان کا وزن ہے اتنا ہی سونا بن جائیگا"

ظفر بھاگا بھاگا بازار گیا اور یہ چیزیں خرید لایا۔ جب اپنے واسطے ناز تس میں پہنچا تو کواڑ کھلے تھے اور اس میں کوئی بھی نہیں تھا اوپر گیا تو معلوم ہوا کہ بی بی بلقیس بھی نہیں ہے

انارکلی

یکم جون ۱۹۵۴ء

نام اس کا سلیم تھا، مگر اس کے یار دوست اسے شہزادہ سلیم کہتے تھے۔ غالباً اس کے خدوخال مغلئی تھے۔ خوبصورت تھا چال ڈھال سے رعونت ٹپکتی تھی۔

اس کا باپ پی ڈبلیو ڈی میں ملازم تھا تنخواہ زیادہ سے زیادہ دو سو روپے ہوگی مگر بڑے ٹھاٹھ سے رہتا۔ ظاہر ہے کہ رشوت کماتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سلیم اچھے سے اچھا کپڑا پہنتا۔ جیب خرچ اس کو کافی ملتا تھا، اس لئے کہ وہ والدین کا اکلوتا لڑکا تھا۔

بہت بن ٹھن کے رہتا۔ اس کے پاس کئی سوٹ تھے، کئی قمیصیں تھیں، جو وہ بدل بدل کے پہنتا۔ شو کم از کم بیس کے قریب ہوں گے۔

جب کالج میں تھا تو کئی لڑکیاں اس پر جان چھڑکتی تھیں مگر وہ بے اعتنائی برتتا۔ آخر اس کی آنکھ ایک شوخ و شنگ لڑکی جس کا نام سیما تھا لڑ گئی۔ سلیم نے اس سے

پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کا التفات حاصل کر لے گا — شہزادہ تو یہاں تک سمجھتا تھا کہ سیما اس کے قدموں میں گر پڑے گی اور اس کی ممنون و مشکور ہو گی کہ اس نے محبت کی نگاہوں سے اسے دیکھا

ایک دن کالج میں سلیم نے سیما سے پہلی بار مخاطب ہو کر کہا "آپ کتابوں کا اتنا بوجھ اٹھائے ہوئی ہیں — لائیے مجھے دیجئے — میرا تانگہ باہر موجود ہے۔ آپ کو اور اس بوجھ کو آپ کے گھر تک پہنچا دوں گا۔"

سیما نے اپنی بھاری بھرکم کتابیں بغل میں دابتے ہوئے بڑے خشک لہجے میں جواب دیا "آپ کی مدد کی مجھے کوئی ضرورت نہیں — بہر حال شکریہ آپ کا ادا کیے دیتی ہوں۔"

شہزادہ سلیم کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا — چند لمحات کے لئے وہ اپنی خفت مٹاتا رہا۔ اس کے بعد اس نے سیما سے کہا "عورت کو مرد کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے — مجھے حیرت ہے کہ آپ نے میری پیشکش کو کیوں ٹھکرا دیا ہے۔"

سیما کا لہجہ اور زیادہ خشک ہو گیا "عورتوں کو مرد کے سہارے کی ضرورت ہو گی — مگر فی الحال مجھے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی — آپ کی پیشکش کا شکریہ میں ادا کر چکی ہوں — اس سے زیادہ آپ اور کیا چاہتے ہیں؟"

یہ کہہ کر سیما چلی گئی۔ سلیم جو انارکلی کے خواب دیکھ رہا تھا آنکھیں جھپکتا رہ گیا اس نے بہت بُری طرح شکست کھائی تھی۔

اس سے قبل اس کی زندگی میں کئی لڑکیاں آچکی تھیں۔ جو اس کی اُمید کے اشارے پر چلتی تھیں ــــ مگر یہ سیما کیا سمجھتی ہے اپنے کو ــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ خوبصورت ہے۔ جتنی لڑکیاں میں نے اب تک دیکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ حسین ہے مگر مجھے ٹھکرا دینا ــــ یہ بہت بڑی زیادتی ہے ــــ میں ضرور اس سے بدلہ لوں گا ــــ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

شہزادہ سلیم نے اس سے بدلہ لینے کی کئی سکیمیں بنائیں مگر بار آور ثابت نہ ہوئیں اس نے یہاں تک سوچا کہ اس کی ناک کاٹ ڈالے وہ یہ جرم کر بیٹھتا مگر اسے سیما کے چہرے پر یہ ناک بہت پسند تھی۔ کوئی بڑے سے بڑا مصور بھی ایسی ناک کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

سلیم تو اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوا، مگر تقدیر نے اس کی مدد کی اس کی والدہ نے اس کے رشتے ڈھونڈنا شروع کیا۔ نگاہ انتخاب آخر سیما پر پڑی جو اس کی سہیلی کی لڑکی تھی۔

بات پکی ہو گئی مگر سلیم نے انکار کر دیا اس پر اس کے والدین بہت ناراض ہوئے گھر میں دس بارہ روز تک ہنگامہ مچا رہا۔

سلیم کے والد ذرا سخت طبیعت کے تھے۔ انہوں نے اس سے کہا تمہیں ہمارا فیصلہ

قبول کرنا ہوگا !!

سلیم ہٹ دھرم تھا، جواب میں یہ کہا وہ آپ کا فیصلہ کوئی ہائی کورٹ کا فیصلہ نہیں ——— پھر میں نے جرم کیا کیا ہے جس کا آپ فیصلہ سنا رہے ہیں؟

اس کے والد کو یہ سن کر طیش آگیا "تمہارا یہ جرم ہے کہ تم ناخلف ہو ——— اپنے والدین کا کہنا نہیں مانتے حکم عدولی کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔"

سلیم کا جوش تھوڑا سا ٹھنڈا ہوگیا "لیکن ابّا جان، شادی میری مرضی کے مطابق تو ہونی چاہیئے۔"

"بتاؤ تمہاری مرضی کیا ہے"

"اگر آپ ٹھنڈے دل سے سُنیں تو میں عرض کروں؟"

"میرا دل کافی ٹھنڈا ہے ——— تمہیں جو کہنا ہے فوراً کہہ ڈالو ——— میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا"

سلیم نے رک رک کے کہا "مجھے ——— مجھے ——— ایک لڑکی سے محبت ہے"

اس کا باپ گرجا۔ "کس لڑکی سے؟"

سلیم تھوڑی دیر ہچکچایا "ایک لڑکی ہے"

"کون ہے وہ؟ ——— کیا نام ہے اس کا؟"

"سیما ——— میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی"

"میاں افتخار الدین کی لڑکی؟"

"جی ہاں، اس کا نام سیما افتخار ہے ــــ میرا خیال ہے وہی ہے"

اس کے والد بے تحاشہ ہنسنے لگے "خیال کے بچے ــــ تمہاری شادی اسی لڑکی سے قرار پائی ہے ــــ کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے؟"

سلیم بوکھلا سا گیا ــ یہ سلسلہ کیسے ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہیں اس کا باپ جھوٹ تو نہیں بول رہا تھا؟ ــــ سلیم سے جو سوال کیا گیا تھا اس کا جواب اس کے والد کو نہیں ملا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کڑک کر پوچھا "سلیم مجھے بتاؤ کیا سیما تمہیں پسند کرتی ہے؟"

سلیم نے کہا "جی نہیں"

"تم نے یہ کیسے جانا"

"اس سے ایک بار میں نے مختصر الفاظ میں محبت کا اظہار کیا ــــ لیکن اس نے مجھے ــــ"

"تمہیں درخورِ اعتنا نہ سمجھا"

"جی ہاں"

"بڑی بے رُخی ہے"

سلیم کے والد نے اپنے گنجے سر کو تھوڑی دیر کے لئے کھجایا اور کہا۔ "تو پھر یہ رشتہ نہیں ہونا چاہئیے ــــ میں تمہاری ماں سے کہتا ہوں کہ وہ لڑکی والوں سے

کہہ دے کہ لڑکا کا رشتہ منظور نہیں !!

سلیم ایک دم جذباتی ہو گیا۔ "نہیں ابا جان ---- ایسا مت کیجئے، شادی ہو جائے، تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور کسی کی محبت اکارت نہیں جاتی ---- لیکن آپ ان لوگوں کو میرا مطلب ہے سیما کو یہ پتہ نہ لگنے دیجئے کہ اس کا پیار مجھ سے ہو رہا ہے جس سے وہ بے رخی اور بے اعتنائی کا اظہار کر چکی ہے"

اس کے باپ نے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا "میں اس کے متعلق کچھ سوچوں گا"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے کہ انہیں ایک ٹھیکیدار سے رشوت وصول کرنا تھی اپنے بیٹے کی شادی کے اخراجات کے سلسلے میں۔

شہزادہ سلیم جب رات کو پلنگ پر سونے کے لئے لیٹا تو اسے انار کی کلیاں ہی کلیاں نظر آئیں۔ ساری رات وہ ان کے خواب دیکھتا رہا۔

گھوڑے پر سوار باغ میں آیا ہے ---- شاہانہ لباس پہنے۔ اسپ تازی سے اتر کر باغ کی ایک روش پر جا رہا ہے ---- کیا دیکھتا ہے کہ سیما انار کے بوٹے کی سب سے اونچی شاخ سے ایک نوخیز کلی توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی بھاری بھرکم کتابیں بکھری پڑی ہیں ---- زلفیں الجھی ہوئی ہیں اور وہ اُچک اُچک کر اس شاخ تک اپنا ہاتھ پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے، مگر ہر بار ناکام رہتی ہے۔

وہ اس کی طرف بڑھا۔ انار کی جھاڑی کے پیچھے چھپ کر اس نے اس
شاخ کو پکڑا اور جھکا دیا۔ سیما نے وہ کلی توڑ لی جس کے وہ اتنی کوشش
کر رہی تھی ــــ لیکن فوراً ہی سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ شاخ نیچے
کیسے جھک گئی۔

وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ شہزادہ سلیم اس کے پاس پہنچ گیا۔ سیما
گھبرا گئی۔ لیکن سنبھل کر اس نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور بغل میں داب لیں، انارکلی
اپنے جوڑے میں اڑس لی اور یہ خشک الفاظ کہہ کر وہاں سے چلی گئی "آپ کی
امداد کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی ــــ بہرحال شکریہ ادا کئے دیتی ہوں"

تمام رات وہ اسی قسم کے خواب دیکھتا رہا، سیما اس کی بھاری بھرکم کتابیں
انار کی کلیاں اور شادی کی دھوم دھام۔

شادی ہو گئی۔ شہزادہ سلیم نے اس تقریب پر اپنی انارکلی کی ایک جھلک بھی
نہیں دیکھ پائی تھی وہ ان لمحے کے لئے تڑپ رہا تھا جب سیما اس کی آغوش میں ہوگی
وہ اس کو اتنے پیار دے گا کہ وہ تنگ آ کر رونا شروع کر دے گی۔

سلیم کو رونے والی لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ اس کا یہ فلسفہ
تھا کہ عورت جب رو رہی ہو تو بہت حسین ہو جاتی ہے۔ اس کے آنسو
شبنم کے قطروں کی مانند ہوتے ہیں جو مرد کے جذبات کے پھولوں پر ٹپکتے
ہیں جن سے اسے ایسی راحت ملتی ہے اور ایسی فرحت ملتی ہے جو اور کسی

نصیب نہیں ہو سکتی۔

رات کو دس بجے دلہن کو حجلۂ عروسی میں داخل کر دیا گیا۔ سلیم کو بھی اجازت مل گئی کہ وہ اس کمرے میں جا سکتا ہے۔ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ اور رسم و رسوم سب ختم ہو گئی تھیں۔ وہ کمرے میں داخل ہوا۔

پھولوں سے سجی ہوئی مسہری پہ دولہن گھونگھٹ کاڑھے ریشم کی گٹھڑی سی بنی بیٹھی تھی، شہزادہ سلیم نے خاص اہتمام کرایا تھا کہ پھول، انار کی کلیاں ہوں ـــــ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ مسہری کی طرف بڑھا اور دلہن کے پاس بیٹھ گیا۔

کافی دیر تک وہ اپنی بیوی سے کوئی بات نہ کر سکا ـــــ اس کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی بغل میں کتابیں ہوں گی جن کو وہ اٹھانے نہیں دے گی آخر اس نے بڑی جرأت سے کام لیا اور اس سے کہا "رسیما ـــــ"

یہ نام لیتے ہی اس کی زبان خشک ہو گئی لیکن اس نے بڑی جرأت فراہم کی اور اپنی دلہن کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھا دیا اور بھونچکا رہ گیا۔ یہ سیما نہیں تھی، کوئی اور ہی لڑکی تھی ـــــ انار کی ساری کلیاں اس کو ایسا محسوس ہوا کہ مرجھا گئی ہیں۔

ملاوٹ

(۱۹ مئی ۱۹۵۴ء)

امرت سر میں علی محمد کی منہاری کی دوکان تھی۔ چھوٹی سی، مگر اس میں ہر چیز موجود تھی۔ اس سلیقے سے سامان رکھا تھا کہ ٹھنسا ٹھنسا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

امرت سر میں دوسرے دوکاندار بلیک کرتے تھے مگر علی محمد واجبی نرخ پر اپنا مال فروخت کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ دور دور سے اس کے پاس آتے اور اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کرتے۔

وہ مذہبی قسم کا آدمی تھا۔ زیادہ منافع لینا اس کے نزدیک گناہ تھا۔ اکیلی جان تھی، اس کے لئے جائز منافع ہی کافی تھا۔

سارا دن دکان پر بیٹھتا، گاہکوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ اس کو بعض اوقات افسوس ہوتا جب وہ کسی گاہک کو سنلائٹ صابن کی ایک ٹکیہ نہ دے سکتا یا کیلی فورنین

ہوپا تیل کی بوتل ہو کیونکہ یہ چیزیں اسے محدود ملتی تھیں ۔

بلیک نہ کرنے کے باوجود وہ خوشحال تھا اس نے دو ہزار روپے پس انداز کر رکھے تھے ۔ جوان تھا —— ایک دن دکان پر بیٹھے بیٹھے اس نے سوچا کہ اب شادی کرلینی چاہیئے —— بڑے بڑے خیال دماغ میں آتے ہیں ۔ شادی کرلوں کہ زندگی میں لطافت پیدا ہو جائے گی ۔ بال بچے ہوں گے ان کی پرورش کے لئے میں اور زیادہ کمانے کی کوشش کروں گا ۔

اس کے والدین عرصہ ہوا اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اس کا کوئی بہن تھی نہ بھائی وہ بالکل اکیلا تھا ۔ شروع شروع میں جب کہ وہ دس سال کا تھا ۔ اس نے اخبار بیچنے شروع کئے ۔ اس کے بعد خوانچہ لگایا ۔ قلفیاں بیچیں ۔ جب اس کے پاس ایک ہزار روپیہ جمع ہو گیا تو اس نے ایک چھوٹی سی دکان کرایے پر لے لی اور منہاری کا سامان خرید کر بیٹھ گیا ۔

آدمی ایماندار تھا ۔ اس کی دکان تھوڑے ہی عرصے میں چل نکلی —— جہاں تک آمدن کا تعلق تھا ، وہ اس سے بے فکر تھا اگر وہ چاہتا تھا کہ اپنا گھر بسائے ۔ اس کی بیوی ہو ، بچے ہوں ، اور وہ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ کمانے کی کوشش کرے ۔ اس لئے کہ اس کی زندگی مشین ایسی بن گئی تھی صبح دکان کھولتا ۔ گاہک آتے انہیں سودا دیتا ۔ شام کو دکان بند کرتا اور ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں جو اس نے شریف پورہ میں لے رکھی تھی ، سو جاتا ۔

گنجے کا ہوٹل تھا۔ اس میں وہ کھانا کھاتا۔ صرف ایک وقت، صبح کا ناشتہ جیمل سنگھ کے کٹڑا سے میں شابھے حلوائی کی دکان میں کرتا۔ دکان کھولتا اور شام تک اپنی گدی پر بیٹھا رہتا۔

اس کے اندر شادی کی خواہش شدت اختیار کرتی گئی لیکن سوال یہ تھا کہ اس معاملے میں اس کی مدد کون کرے۔ امرتسر میں اس کا کوئی دوست یار بھی نہ تھا جو اس کے لئے کوشش کرتا

وہ بہت پریشان تھا۔ شریف پورہ کی کوٹھڑی میں رات کو سوتے وقت وہ کئی مرتبہ رویا کہ اُس کے ماں باپ اتنی جلدی کیوں مر گئے۔ اُنھیں اور کچھ نہیں تو اس لئے ضرور زندہ رہنا چاہیئے تھا کہ وہ اُس کی شادی کا بندوبست کر جائیں۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ شادی کیسے کرے۔ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ اس دوران میں اُس کے پاس تین ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اُس نے ایک چھوٹے سے گھر کو جو اچھا خاصا تھا کرائے پر لے لیا۔ مگر رہتا وہ شریف پورے ہی تھا۔

ایک دن اس نے اخبار میں ایک اشتہار دیکھا جس میں یہ لکھا تھا کہ شادی کے خواہش مند اصحاب ہم سے رجوع کریں۔ بی۔ اے پاس لیڈی ڈاکٹر ہر قسم کے رشتے موجود ہیں، خط و کتابت کیجئے یا خود آکے ملئے۔

اتوار کو وہ دکان نہیں کھولتا تھا۔ اس دن وہ اس پتے پر گیا اور اس کی ملاقات ایک داڑھی والے بزرگ سے ہوئی۔ محمد علی نے اپنا مدعا بیان کیا داڑھی والے بزرگ نے میز کا دراز کھول کر بیس پچیس تصویریں نکالیں اور اس کو ایک ایک کر کے دکھائیں کہ وہ ان میں سے کوئی پسند کر لے

ایک لڑکی کی تصویر علی محمد کو پسند آ گئی چھوٹی عمر کی اور خوبصورت تھی۔ اس نے شادیاں کرنے والے ایجنٹ سے کہا ”جناب —— یہ لڑکی مجھے پسند ہے“

ایجنٹ مسکرایا ”تم نے ایک ہیرا چن لیا ہے“

علی محمد کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ لڑکی اس کی آغوش میں ہے اس نے گڑگڑانا شروع کر دیا ”بس —— جناب آپ بات پکی کر دیجئے“

ایجنٹ سنجیدہ ہو گیا ”دیکھو برخوردار —— یہ لڑکی جو تم نے چنی ہے، علاوہ حسین ہونے کے، ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہے —— لیکن میں تم سے زیادہ فیس نہیں مانگوں گا“

”آپ کی بڑی نوازش ہے —— میں یتیم لڑکا ہوں —— اگر آپ میرا یہ کام کر دیں تو آپ کو ساری عمر اپنا باپ سمجھوں گا“

ایجنٹ نے مونچھوں بھرے ہونٹوں پر پھر مسکراہٹ نمودار ہوئی ”جیتے رہو —— میں تم سے صرف تین سو روپے فیس لوں گا۔

علی محمد نے بڑے متشکرانہ لہجے میں کہا، جناب کا بہت بہت شکریہ —
مجھے منظور ہے"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے تین نوٹ سو سو روپے کے نکالے اور اس بندہ گار
کو دے دیئے۔

تاریخ مقرر ہو گئی۔ نکاح ہوا۔ رخصتی بھی ہوئی۔ علی محمد نے وہ چھوٹا سا مکان
جو کرائے پر لے رکھا تھا، اب سجا سجایا تھا۔ وہ اس میں بڑے چاؤ سے اپنی دلہن
لے کر آیا۔ پہلی رات کا تصور معلوم نہیں اس کے دل و دماغ میں کس قسم کا تھا مگر جب
اس نے دلہن کا گھونگھٹ کانپتے ہاتھوں سے اٹھایا تو اس کو غش سا آ گیا۔
نہایت بدشکل عورت تھی —— صریحاً اس مرد بزرگ نے اس کے ساتھ
دھوکہ کیا تھا۔ علی محمد لڑکھڑاتا کمرے سے باہر نکل گیا اور شریف پورے جا کر اپنی
کوٹھڑی میں دیر تک سوچتا رہا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ
بھی نہ آیا۔

اس نے اپنی دکان نہ کھولی —— دو ہزار روپے وہ اپنی بیوی کا حق مہر اسی
رات ادا کر چکا تھا۔ تین سو روپے اس ایجنٹ کو اب اس کے پاس صرف سات سو
روپے تھے —— وہ اس قدر دل برداشتہ ہوا کہ اس نے سوچا شہر ہی چھوڑ دے
ساری رات جاگتا رہا اور سوچتا رہا آخر اس نے فیصلہ کر ہی لیا۔ صبح دس بجے اس
نے اپنی دکان ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپے میں یعنی اونے پونے داموں

نیز پیچ دی اور ٹکٹ کٹوا کر لاہور چلا گیا۔

لاہور جاتے ہوئے گاڑی میں کسی جیب کترے نے بڑی صفائی سے اس کے تمام روپے غائب کر دیئے وہ بہت پریشان ہوا —— لیکن اس نے سوچا کہ شاید خدا کو یہی منظور تھا

لاہور پہنچا تو اس کی دوسری جیب میں جو کتری نہیں گئی تھی صرف دس روپے اور گیارہ آنے تھے اس سے اس نے چند روز گزارے۔ لیکن بعد میں فاقوں کی نوبت آگئی۔

اس دوران میں اس نے کہیں نہ کہیں ملازم ہونے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا —— وہ اس قدر مایوس ہو گیا تھا کہ اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا مگر اس میں اتنی جرأت نہیں تھی۔ اس کے باوجود ایک رات وہ ریل کی پٹڑی پر لیٹ گیا۔ ٹرین آرہی تھی، مگر کانٹا بدلا اور وہ دوسری لائن پر چلی گئی کیونکہ اسے ادھر ہی جانا تھا۔

اس نے سوچا کہ موت بھی دھوکا دے جاتی ہے۔ چنانچہ اس نے خودکشی کا خیال چھوڑ دیا اور ہلدی اور مرچیں پیسنے والی ایک چکی میں بیس روپے ماہوار پر ملازمت اختیار کر لی۔

یہاں اسے پہلے دن ہی معلوم ہو گیا کہ دنیا دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ ہلدی میں پیلی مٹی کی ملاوٹ کی جاتی تھی اور مرچوں میں سرخ اینٹوں کی۔

دو برس تک وہ اس چکی میں کام کرتا رہا۔ اس کا مالک ہر مہینے کم از کم سات

سو روپیہ ماہوار کماتا تھا اس دوران میں علی محمد نے پانچ سو روپیہ پس انداز کر لئے تھے ایک دن اس نے سوچا جب ساری دنیا میں فریب ہی فریب ہے تو وہ بھی کیوں نہ فریب دے۔

اس نے چنانچہ ایک علیحدہ چکی قائم کر لی اور اس میں مرچوں اور ہلدی میں ملاوٹ کا کام شروع کر دیا ـــــ اس کی آمدن اب کافی معقول ہو گئی تھی۔ اس کو شادی کا کئی بار خیال آیا مگر جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس پہلی رات کا نقشہ آیا۔ تو وہ کانپ کانپ گیا۔

علی محمد خوش تھا۔ اس نے فریب کاری پوری طرح سیکھ لی تھی۔ اس کو اب اس کے تمام گر معلوم ہو گئے تھے۔ ایک من لال مرچوں میں کتنی اینٹیں پیسنی چاہئیں، ہلدی میں کتنی زرد رنگ کی مٹی ڈالنی چاہیئے، اور پھر وزن کا حساب، یہ اب اس کو اچھی طرح معلوم تھا۔

لیکن ایک دن اس کی چکی پر پولیس کا چھاپہ پڑا، ہلدی اور مرچوں کے نمونے بوتلوں میں ڈال کر سر بمہر کئے گئے ـــــ اور جب کیمیکل اگزامینر کی رپورٹ آئی کہ ان میں ملاوٹ ہے تو اسے گرفتار کر لیا گیا۔

اس کا والی وارث کون تھا جو اس کی ضمانت دیتا ـــــ کئی دن حوالات میں بند رہا۔ آخر مقدمہ عدالت میں پیش ہوا اور اس کو تین سو روپیہ جرمانہ اور ایک مہینے کی قید با مشقت کی سزا ہوئی۔

جرمانہ تو اس نے ادا کر دیا، لیکن ایک مہینے کی قید بامشقت اسے بھگتنا ہی پڑا یہ ایک مہینہ اس کی زندگی میں بہت کڑا اور کٹھن تھا ——— اس دوران میں وہ اکثر سوچتا تھا کہ اس نے بے ایمانی کیوں کی، جب کہ اس نے اپنی زندگی کا یہ اصول بنا لیا تھا کہ وہ فریب نہیں کرے گا۔

پھر وہ یہ سوچتا کہ اسے اپنی زندگی ختم کر لینی چاہیے، اس لیے کہ وہ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا۔ اس کا کردار مضبوط نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ مر جائے تاکہ اس کا ذہنی اضطراب ختم ہو۔

جب وہ جیل سے باہر نکلا تو وہ مضبوط ارادہ کر چکا تھا کہ خودکشی کر لے گا تاکہ سارا جھنجھٹ ہی ختم ہو ——— اس غرض کے لیے اس نے سات روز مزدوری کی اور دو تین روپے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر جمع کیے اس کے بعد اس نے سوچا کہ کون سا زہر ہو گا جو کارآمد ہو سکتا ہے؟

اس نے صرف ایک ہی زہر کا نام سنا تھا جو بڑا فاتل ہوتا ہے ——— سنکھیا۔ مگر یہ سنکھیا کہاں سے ملتی؟

اس نے بہت کوشش کی آخر اسے ایک دکان سے سنکھیا مل گئی۔ اس نے عشاء کی نماز پڑھی۔ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ وہ جلدی اور مرچ لیں ملا دیتا کرتا رہا۔ پھر رات کو سنکھیا کھائی اور فٹ پاتھ پر سو گیا۔

اس نے سنا تھا کہ سنکھیا کھانے والوں کے منہ سے جھاگ نکلتا ہے۔ تشنج سے

کے دورے پڑتے ہیں۔ بڑا کرب ہوتا ہے مگر اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ ساری رات وہ اپنی موت کا انتظار کرتا رہا۔ مگر وہ نہ آئی۔

صبح اٹھ کر وہ اس دکاندار کے پاس گیا، جس سے اس نے سنکھیا خریدی تھی اور اس سے پوچھا "بھائی صاحب! یہ آپ نے مجھے کیسی سنکھیا دی ہے کہ میں ابھی تک مرا نہیں"

دکاندار نے آہ بھر کر بڑے افسوس ناک لہجے میں کہا "کیا کہوں میرے بھائی ——— آج کل ہر چیز نقلی ہوتی ہے ——— یا اس میں ملاوٹ ہوتی ہے"

(۲۱ جون ۱۹۳۵ء)

دروازہ کھلتا ہے۔ چوبدار تین مرتبہ فرش پر لاٹھی سے آواز پیدا کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے

چوبدار۔ باادب، باملاحظہ ہوشیار، نظر بر سدبرہ، شہنشاہِ عالم لنچ کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

شہنشاہِ عالم کے قدموں کی بھاری چاپ سنائی دیتی ہے اس کے بعد وہ تشریف لاتے ہیں۔

شہنشاہ۔ ہیڈ بٹلر کہاں ہے

چوبدار ایک بہت بڑی ڈش پر سے سرپوش اٹھاتا ہے۔ ہیڈ بٹلر پھدک کر باہر نکلتا ہے اور فرشی سلام عرض کرتا ہے

ہیڈ بٹلر۔ غلام سلوٹ بجا لاتا ہے جہاں پناہ

شہنشاہ :- دسترخوان پہ بادولت کے کیا کیا چیز حاضر ہے؟

ہیڈ بٹلر :- گوشت پلاؤ، ماہی پلاؤ، مٹر پلاؤ، نارنگی پلاؤ، مزعفر - بریانی - زردہ، روغن جوش - قورمہ، ٹماٹر گوشت، بھنڈی گوشت، مٹر گوشت، پائے کا شوربہ، قیمہ، کبابا - چکن کٹلس، پوٹیٹو کٹلس - چکن چاپس، مٹن چاپس، پوٹیٹو چاپس ——— اور خدا جہاں پناہ کو سلامت رکھے ——— ارہر کی دال۔

شہنشاہ :- (غصے میں) ارہر کی دال بادولت کو بالکل پسند نہیں۔

ہیڈ بٹلر :- یور میجسٹی ——— آج لنچ پر ہز ایکسیلنسی ولایتوں کے وزیر اعظم مدعو ہیں ——— اس لئے ———

شہنشاہ :- (خوش ہو کر) بادولت تمہاری فراست کی داد دیتے ہیں اور خوش ہو کر تمہارا منہ موتیوں سے بھر دینے کا حکم جاری کرتے ہیں۔

ہیڈ بٹلر :- میری سانس رک جائے گی عالم پناہ۔

شہنشاہ :- (مسکرا کر) تم بہت ذہین ہو ——— اچھا بادولت تمہیں سر کا خطاب عنایت فرماتے ہیں۔

ہیڈ بٹلر :- جہاں پناہ کی اس قدر افزائی نے ذرے کو آفتاب بنا دیا۔

شہنشاہ :- اور کس مناقب سے ——— بینگ لگی رنگ کار ہی

ہیڈ بٹلر :- غلام سادہ سے مجالتا ہے یور میجسٹی۔

دروازہ کھلتا ہے ——— چوبدار تین مرتبہ فرش پہ اپنی لاٹھی سے آواز پیدا

کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے

چوبدار - با ادب با ملاحظہ ہوشیار نظریں روبرو ---- ملکۂ عالیہ کی سواری آتی ہے، چھوٹے چھوٹے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے ---- ملکۂ عالیہ کی سواری آتی ہے۔

ملکہ:- جہاں پناہ کو زیادہ دیر تو میرا انتظار نہیں کرنا پڑا؟ ---- میں اپنی خادماؤں کے سر میں جوئیں ڈلوا رہی تھی۔

شہنشاہ:- کیوں؟

ملکہ:- رعایا کے لئے میں ایک بلڈ بنک کھولنا چاہتی ہوں۔

شہنشاہ:- امورِ سلطنت سے تمہاری یہ دلچسپی مابدولت کے لئے باعث مسرت ہوئی ہے۔

ہیڈ کلرک:- رعایا کتنی خوش نصیب ہے کہ آپ ایسا مخلص بادشاہ اور آپ ایسی مخلص ملکہ اس پر حکمران ہے۔

شہنشاہ:- پہلے یوں ہی مشہور تھا کہ فلاں بادشاہ کے راج میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے ---- لیکن ہمارے راج میں ایسے کئی گھاٹ موجود ہیں جہاں شیر اور بکریاں اکٹھے پانی پیتے ہیں اور اس کو حلفاً امکان ہیں لانے کے لئے مابدولت کو تمام شیروں کے دانت نکلوانے اور تمام بکریوں کے سینگ کٹوانے پڑے۔

ہیڈ بٹلر:- اس میں کیا شک ہے۔

گھنٹی بجتی ہے

شہنشاہ (چونک کر) یہ کس نے ہمیں بلایا ہے --- یہ کون فریادی ہے۔ جس نے
عدل و انصاف کی آہنی زنجیر کو جنبش دی؟

ملکہ:- جہاں پناہ کیا اسی وقت جھروکے میں تشریف لے جائیں گے؟

شہنشاہ:- اسی وقت اسی گھڑی۔ جب تک ہم اس فریادی کی فریاد نہیں سن لیں گے
ادھر کی دال ہم پر حرام۔ ہم ابھی جھروکے میں جا کر فریادی سے ملاقات کریں گے
ضرور اس پر کوئی ظلم ہوا ہے۔

چوبدار تین مرتبہ مرمریں فرش پر اپنی لاٹھی سے آواز پیدا کرتا ہے اور
اعلان کرتا ہے

چوبدار:- با ادب با ملاحظہ ہوشیار --- نظریں روبرو --- شہنشاہ عالم فریادی کی
فریاد سننے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

شہنشاہ، ملکہ اور ہیڈ بٹلر تینوں جھروکے میں تشریف لے جاتے ہیں۔

شہنشاہ:- یہ کون محتاج ہے جس نے ہمارے عدل و انصاف کی آہنی زنجیر ہلائی۔ اور
انصاف چاہا۔

فریادی:- یہ غلام انصاف کا طالب ہے جہاں پناہ۔

شہنشاہ:- تمہارے ساتھ پورا انصاف ہوگا فریادی --- [illegible]

اور پانی کا پانی کرنا ہمارا کام ہے۔

فریادی:۔ عالم پناہ! آج کل ایک سیر دودھ میں صرف دو قطرے دودھ کے اور باقی سب پانی ہوتا ہے۔

شہنشاہ:۔ مطلب یہ ہوا فریادی۔ دودھ کے یہ دو قطرے بھی علیحدہ کر کے دکھا دیئے جائیں گے ۔۔۔۔ بولو ۔۔۔۔ بے خوف و خطر ہو کے بولو کہ تمہیں کس نے ایذا پہنچائی ہے ۔۔۔۔ کیا کسی ظالم کے پستول سے تمہاری بیوی ۔۔۔۔۔۔

فریادی:۔ نہیں عالی جاہ کسی ظالم کے پستول سے میری بیوی ہلاک نہیں ہوئی۔

شہنشاہ:۔ ناسمجھ لڑکے، اس کا مطلب ہے، خود کو نہیں دہرایا ۔۔۔۔ یہ بھی ایک بہت بڑی بات ہے ۔۔۔۔ بولو، تم کام کیا کرتے ہو؟

فریادی:۔ عالی پناہ کے سائے تلے اس غلام نے ایک بہت بڑی لانڈری کھول رکھی ہے۔

شہنشاہ:۔ کپڑے سے گھاٹ، پر تم دھو سکتے ہو؟

فریادی:۔ نہیں عالم پناہ ۔۔۔۔ یہ ذلیل کام میں نے دوسروں کے سپرد کر رکھا ہے۔

شہنشاہ:۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے ۔۔۔۔ اب تمہیں کیا دکھ پہنچا ہے؟

فریادی:۔ جہاں پناہ، مجھے بہت بڑا دکھ پہنچا ہے ۔۔۔۔ میرے پاس الفاظ نہیں جو میں بیان کر سکوں۔

شہنشاہ:- ہوں (تھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد) فریادی تم کوئی فکر نہ کرو ——
ہم الفاظ کا بندوبست کر دیتے ہیں —— ہیڈ بٹلر!

ہیڈ بٹلر:- غلام حاضر ہے جہاں پناہ

شہنشاہ:- حضور شاہی عرصہ ہوا ہم نے سر کے خطاب سے تمہیں سرفراز
کیا تھا -

ہیڈ بٹلر:- غلام اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کر چکا ہے -

شہنشاہ:- اب خود کو اس قدر افزائی کا حقدار ثابت کرو ہم تمہیں وزیر الفاظ
کا رتبہ بخشتے ہیں، تاکہ تم اس فریادی کی فریاد کو مناسب و موزوں الفاظ میں
ترتیب دے کر ہماری خدمت میں پیش کرو.

ہیڈ بٹلر:- غلام اس فرض سے سبکدوش ہونے کی پوری پوری کوشش کرے گا

شہنشاہ:- تم مطمئن ہو فریادی؟

فریادی:- جی ہاں بالکل مطمئن ہوں عالم پناہ .

شہنشاہ:- وزیر الفاظ جاؤ، فریادی کی فریاد درخواست کی صورت میں پیش کرو.

ہیڈ بٹلر:- کام کی اہمیت کے پیش نظر غلام جہاں پناہ کی جناب سے مہلت کے لئے درخواست
کرتا ہے .

شہنشاہ:- ما بدولت دو ماہ کی مہلت عطا فرماتے ہیں

ہیڈ بٹلر:- شکریہ :-

فریادی :۔ شکریہ ۔

دروازہ کھلتا ہے چوبدار تین مرتبہ فرش پر لاٹھی سے آواز پیدا کرتا ہے
اور اعلان کرتا ہے

چوبدار :۔ باادب، باملاحظہ ـــــ ہوشیار ـــــ نظریں رُوبرو ـــــ شہنشاہ عالم
دو مہینے کے بعد لانڈری والے کیس کے متعلق ہیڈ بٹلر المعروف وزیر الفاظ کی
رپورٹ سننے کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔

شہنشاہ جھروکے میں تشریف لاتے ہیں

شہنشاہ :۔ وزیر الفاظ۔ لانڈری والے فریادی کی رپورٹ موزوں و مناسب الفاظ میں
تیار ہوئی۔

ہیڈ بٹلر :۔ دو مہینے کی مسلسل محنت و مشقت اور عرق ریزی کے بعد یہ ہیچمدان ایک
کروڑ الفاظ کی رپورٹ تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو پبلک کی آگاہی کیلئے سرکاری
پریس میں چھپ رہی ہے۔

شہنشاہ :۔ فریادی ـــــ وزیر الفاظ کے اس کام سے کیا تم مطمئن ہو ۔

فریادی :۔ قطعی طور پر عالی جاہ ـــــ کام بڑے سلیقے سے ہو رہا ہے ۔

شہنشاہ :۔ وزیر الفاظ ـــــ ہم تھوڑے عرصے کے لئے تمہیں وزیر خاص بنا کر اس
رپورٹ کا ملخص پڑھنا چاہتے ہیں، جو پبلک کی آگاہی کے لئے پریس میں

چھپ رہی ہے۔

ہیڈ بٹلر۔ رپورٹ کا اصل خلاصہ یہ ہے عالم پناہ — فریادی ایک بہت بڑی لانڈری کا مالک ہے اس لانڈری میں تمام کپڑے صابن سے نہیں، کسی اور ہی چیز سے دھوئے جاتے ہیں، جس کا نسخہ صرف فریادی ہی جانتا ہے۔

فریادی :۔ یہ نسخہ سینہ بسینہ چلا آ رہا ہے عالم پناہ۔

شہنشاہ :۔ خوب

ہیڈ بٹلر :۔ ڈرائی کلیننگ کے کام میں بھی فریادی پیٹرول استعمال نہیں کرتا۔

فریادی :۔ غلام پیٹرول کا سارا کوٹہ بلیک مارکیٹ میں بیچ دیتا ہے

شہنشاہ :۔ بہت خوب

ہیڈ بٹلر :۔ فریادی کی لانڈری میں ساڑھے سات سو دھوبی کام کرتے ہیں۔ ان کو سینہ بسینہ چلنے والے اصول کے مطابق وہی تنخواہ ملتی ہے جو مغلیہ بادشاہوں کے عہد میں دھوبیوں کو ملا کرتی تھی۔ فریادی نے چار مہینے ہوئے محسوس کیا کہ اس کے یہ تنخواہ پانے والے اس کا صابن کھا رہے ہیں

شہنشاہ :۔ فریادی نے یہ کیسے محسوس کیا۔

فریادی :۔ ان کا رنگ دن بدن اجلا ہو رہا تھا جہاں پناہ

شہنشاہ :۔ درست!

ہیڈ بٹلر :۔ انہوں نے صابن کھانے پر ہی اکتفا نہ کی — اس غریب کا پیٹرول پینا

بھی شروع کر دیا۔

شہنشاہ:۔ فریادی ـــــ پٹرول پینے کے متعلق کیسے معلوم ہوا ؟

فریادی:۔ عالم پناہ ـــــ ان کی دھواں دھار تقریروں سے غمازی کی

شہنشاہ:۔ درست

ہیڈ بٹلر:۔ اپنے تنخواہ پانے والے ملازمین کی اس بدخوری اور بدنوشی سے تنگ آ کر فریادی نے ایک اور کپڑے سکھانے کے لئے ان کو اس میدان کی طرف روانہ کر دیا جہاں شہزادیاں چاند ماری سیکھتی ہیں

شہنشاہ:۔ (فکر مند ہو کر) والا شان شہزادیوں نے ان بیگناہوں کو ہلاک کر دیا

ہیڈ بٹلر:۔ ایسا ہی ہوا جہاں پناہ ـــــ شہزادیوں کو یہ غلط فہمی رہی کہ وہ ساڑھے سات سو دھوبی جنگلی انسانوں کی وہ کھیپ ہے جو والا شان شہزادیوں کا نشانہ درست کرنے کے لئے ہر ہفتے فراہم کی جاتی ہے

شہنشاہ:۔ دھوبیوں اور جنگلی انسانوں میں زمین آسمان کا فرق ہے

ہیڈ بٹلر:۔ عالم پناہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے ـــــ ساڑھے سات سو دھوبیوں کے لواحقین چنانچہ فریادی کو ان کی ہلاکت کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔

فریادی:۔ غلام کا قصور صرف اتنا ہے جہاں پناہ کہ اس نے تنگ آ کر ان کو اس میدان کی طرف بھیج دیا جہاں والا شان شہزادیاں نشانہ درست کرتی ہیں ـــــ لیکن ان کی افسوسناک ہلاکت کے بعد جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ غیر ارادی

نور یہ اس غلام نے جہاں پناہ کو انصاف کرنے کا ایک بہت ہی اچھا موقعہ فراہم کر دیا ہے

شہنشاہ :- غور کرنے کے بعد بادل نخواستہ بھی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں ---- تاریخ میں اس سے پہلے جہانگیر کو ایسے موقعے سے دوچار ہونا پڑا تھا- لیکن ہم عہد بعہد کے شہنشاہ ہیں ---- جہانگیری عدل ثانی زمانہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا -خون کا بدلہ خون ہے-

ہیڈ مسٹریس:- کیا والا شان شہزادیاں حاکم ہا ہیں

شہنشاہ :- وزیر الفاظ ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو -

چوبدار تین مرتبہ فرش پر اپنی لاٹھی سے آواز پیدا کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے

چوبدار:- با ادب با ملاحظہ ہوشیار ---- نظریں روبرو ---- ملکہ عالیہ کی سواری آتی ہے

ملکہ عالیہ کی سواری بال کھولے ہوئے آتی ہے

ملکہ :- جہاں پناہ ---- یہ میں کیا سن رہی ہوں

شہنشاہ :- خون کا بدلہ خون ---- ہماری مملکت کے ہر درو دیوار سے یہی صدا آرہی ہے ---- خون کا بدلہ خون ---- کوئی خون بہا نہ ہوگا

ملکہ : جہاں پناہ!

ہیڈ بٹلر:۔ عالم پناہ!!

فریادی:۔ ساڑھے سات سو دھوبیوں کے انگیٹھی پتا بخواہ نہیں چاہیئے — فی دھوبی پانچ روپے کافی ہیں۔

شہنشاہ:۔ نہیں — ابدولت اپنے دامنِ عدل پر جہانگیر کی طرح کوئی دھبہ نہیں لگنے دیں گے — خون کا بدلہ خون ہے — خوں بہا نہیں — وزیر الاتندوالا شان شہزادیوں کی تعداد کیا ہے؟

ہیڈ بٹلر:۔ پچھلے برس کے اعداد شمار کے مطابق والا قدر شہزادیوں کی تعداد ایک سو بیس تک پہنچی تھی۔

ملکہ:۔ ان میں میری کوئی دختر نیک اختر شامل نہیں — پھر بھی میں جہاں پناہ سے درخواست کرتی ہوں کہ —

شہنشاہ:۔ ہمیں اپنے فرض سے سبکدوش ہونے دو ملکہ — خون کا بدلہ خون ہے

فریادی:۔ جہاں پناہ — ان ساڑھے سات سو دھوبیوں میں خون کا صرف ایک قطرہ تھا۔

شہنشاہ:۔ تمہیں کیسے معلوم ہے؟

فریادی:۔ ان کا سارا خون نچوڑ کر میں نے صرف ایک ایک قطرہ باقی چھوڑ رکھا تھا تاکہ ان میں زندگی کی رمق باقی رہے۔

شہنشاہ:۔ ابدولت کی نگاہِ عدل میں خون کے ایک قطرے اور خون کے ایک

سمندر میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے پیشتر کہ رجعت پسند قوتیں ہمیں گمراہ کریں مملکت کے طول و عرض میں ریڈیو اور اخباروں کے ذریعے سے اعلان کر دیا جائے کہ ہم لانڈری والے کیس کا فیصلہ کرنے میں اپنی مثالی غیر جانبداری برتیں گے ——— خون کا بدلہ خون ہے ——— اس میں کوئی شک نہیں کہ والا شان شہزادیوں کی رگوں میں ہمارا اپنا خون دوڑ رہا ہے۔ لیکن اسے دھوبیوں کے سرخ خون کا بدلہ دینا ہوگا ——— ہر چہار اکناف اعلان کر دیا جائے کہ ہم بدولت نے اس سنگین مقدمے کا فیصلہ مرتب کرنے کے لئے ایک کمیشن بٹھا دیا ہے۔

ہیڈ بٹلر:- کمیشن ؟

ملکہ:- کمیشن ؟ ؟

فریادی:- کمیشن ؟ ؟ ؟

شہنشاہ:- ہاں ——— کمیشن ——— یہ کمیشن ملک کے چار بڑے دھوبیوں۔ دو سب سے بڑے ڈرائی کلینروں اور دو خطاب یافتہ سرکاری لوگوں پر مشتمل ہوگا ——— ہیڈ بٹلر جس کو ہم نے پہلے سر کا خطاب عنایت فرمایا تھا اور بعد میں وزیر اعظم بنا دیا تھا۔ اس کمیشن کا صدر ہوگا۔

ہیڈ بٹلر:- غلام سے اتنا بڑا کام سرانجام نہیں دیا جا سکے گا یور میجسٹی

شہنشاہ:- ہم بدولت کو اس کا علم ہے ——— تمہاری صدارت میں متفقہ کمیشن چھ مہینے میں رپورٹ مرتب کرے گا۔ عوام کی تسلی کے لئے ہم بدولت اس کمیشن پر ایک

اور کمیشن بٹھا دیں گے تاکہ عدل و انصاف کی نگاہ سے کوئی گوشہ کوئی کونہ پوشیدہ نہ رہنے۔

ہیڈ کلرک :- عالم پناہ عوام کی تشفی پھر بھی نہیں ہو گی ـــــ ۱۹۸۰ ان کی سرشت میں داخل ہے

شہنشاہ : فکر مند ہو کہ عوام کی تشفی بہت ضروری ہے ـــــ سب سے مقدم ہے ـ ہم اس وقت تک کوئی فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں جب تک کہ اس معاملے میں ہماری تشفی نہ ہو کہ عوام ہماری طرف سے پوری تشفی میں ـــــ ہو الشافی کہہ کر چنانچہ ہم سب سے پہلے سب سے ضروری کمیشن بٹھاتے ہیں ـــــ اس کا نام شافی کمیشن ہو گا۔

ہیڈ کلرک :- عالم پناہ زندہ باد!

ملکہ :- عدل و انصاف زندہ باد!

فریادی :- شافی کمیشن جو زندہ باد۔